يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ [القرآن]

دعوتی، اصلاحی

فکری اور تعلیمی مجلہ

تبلیغ القرآن پشاور

دوماہی

جلد 3 شمارہ 5

ستمبر/اکتوبر 2016ء ، ذی القعدہ/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

نگران
مولانا مفتی محمد ایاز دُرانی

مدیر
مولانا سید کفایت بخاری

مدیر منتظم
مولانا حشمت علی صافی

یکے از مطبوعات جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

فہرست مضامین

تفسیر القرآن
ضیاء البیان فی تفسیر القرآن ..... علامہ عطاء اللہ بندیالوی 3
تفسیر الحدیث
حسن معاملہ ..... ادارہ 7
عمرانیات
پاکستان کی قدر / مقصد پر نظر ..... نگران اعلیٰ 8
اصلاح عقائد و اعمال
دین اسلام کیا ہے.....؟ ..... مولانا عبد الباری راشد 11
عبادات
قربانی کی تاریخ اور حقیقت ..... ابن فیضلی درانی 17
سیرت و تاریخ
خلیفۂ سوم سیدنا عثمان غنی ؓ پیکر جود و سخا ..... مولانا عابد علی پشاوری 21
تعمیر کردار
کروڑوں کا سودا ..... خالد رحمٰن 26
مغرب اور اسلام
اسلام اور خواتین کے حقوق ..... علامہ زاہد الراشدی 28
نجوم ہدایت
سخی کا بیٹا ..... عبد اللہ فارانی 33
معیشت و تجارت
اسلامی معاشی نظام، اہمیت اور طریقہ کار ..... مولانا مفتی محمد ایاز صاحب 38
تزکیہ و تربیت
اسلامی تعلیم و تربیت، کیوں اور کیسے؟ ..... ڈاکٹر محمد رضا 43
مقالات و مضامین
کامیابی سوالیہ نشان کیوں.....؟ ..... محمد ندیم 50
گوشۂ نوجوان
آپ ہی آگے بڑھیں.....! ..... انور غازی 52
دار الافتاء
دینی مسائل ..... مولانا مفتی محمد ایاز / مولانا مفتی محمد حسین 56
آداب
طہارت و نظافت کے آداب ..... اختر عباس 58
اخبار و احوال
جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں ..... انجینئر شمس الحق آفریدی 59

قیمت فی شمارہ 30 روپے زر سالانہ ——— 160 روپے
سالانہ زر تعاون بیرون ممالک: 20 ڈالر
بینک اکاؤنٹ نمبر: 012003200-8
بینک کوڈ: 0864
الائیڈ بینک لمیٹڈ فقیر آباد برانچ پشاور پاکستان۔
برائے رابطہ:
فون: 300 45 22-91-92+، موبائل: 151 93 93-333(0)92+

مجلس ادارت
پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر
پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان
مولانا ڈاکٹر اکرام الحق یاسین
مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
انجینئر میاں محمد الیاس
پروفیسر سید طاہر شاہ

مجلس مشاورت
مفتی ضیاء الحق
جناب یوسف ظفر
مولانا سمیع اللہ
مفتی محمد حسین
ابو ثاقب شکیل احمد

خط و کتابت کا پتہ
مجلہ "تبلیغ القرآن"
جامعہ تبلیغ القرآن
یوسف آباد ولہ زاک روڈ پشاور پاکستان۔
ای میل
mujalla.jamiatq@gmail.com
ویب سائٹ
www.alishaat.com
پبلشر: حشمت علی صافی
پرنٹر: العلم پبلشنگ سروسز
ترسیل انچارج
قاری احتشام الحق
0333-9393151

تعلیم القرآن

ضیاء البیان فی تفسیر القرآن

علامہ عطاء اللہ بندیالوی

﴿سورۃ البقرہ (۱۲۰۔۱۲۶)﴾

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ
اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ
مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ
مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ
النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ:

- اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔ واضح طور پر کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت وہ (کامل) ہدایت ہے اور اگر آپ نے علم (وحی) کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی حمایتی اور مددگار آپ کے لیے نہیں ہو گا۔
- جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات و انجیل) دی وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس (قرآن یا رسول) پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

- اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں تھیں اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔
- اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ نہ کسی سے کسی قسم کا معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کو کہیں سے کوئی مدد پہنچے گی۔
- اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اللہ نے کہا میں تجھے لوگوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی۔ اللہ نے فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔
- اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا اور (کہا) کہ تم مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو جائے نماز بنالو اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو تاکید کی تھی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجدہ بجالانے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔
- اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے عرض کیا تھا۔ اے میرے رب اس (مکہ کو) امن والا شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھلوں کی روزی عطا فرما، اللہ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر و تشریح:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ

یہ یہود و نصاریٰ کی اسلام سے دشمنی اور شدتِ عداوت کا بیان ہے۔ میرے پیغمبر یہ تجھے اور تیرے پیغام کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کا دین اختیار کر لو۔ انہیں بتا دے کہ اصلی ہدایت وہی ہے جسے اللہ ہدایت قرار دے اور وہ اب صرف اور صرف دینِ اسلام ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

خطاب آپ ﷺ سے ہے مگر سمجھانا امت کو مقصود ہے کہ علم اور توحید کے دلائل آجانے کے بعد مشرکین اور مبتدعین کو خوش کرنے کے لیے ان کی خواہشات کے تابع ہو کر حق کو نہ چھپائیں۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ

یہود کے مکروہ چہرے دکھانے کے بعد ان میں سے جو صالح اور مومن لوگ تھے ان کا تذکرہ ہو رہا ہے جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ

جو مضمون آیت نمبر ۴۰ سے شروع فرمایا تھا اختتام مضمون پر ایک مرتبہ پھر تخویف اور ترغیب کے ذریعہ بنی اسرائیل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی نیز یہ ترغیب اور تخویف آنے والے مضمون کے لیے تمہید بھی بنے گی۔

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

یہاں سے سورۃ البقرۃ کا دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے یعنی رسالتِ محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہ آیت اس مضمون کے لیے تمہید ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے جد امجد ہیں وہ ہمہ گیر شخصیت تھے۔ وہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ ان کی پیروی کے دعویدار تھے۔ اور سب اپنے آپ کو ابراہیمی کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، آگے تحویل قبلہ کا حکم بھی آرہا ہے اس کے لیے بھی یہ تمہید ہے کہ بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ قبلہ ہے، اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے پر اعتراض بے جا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا جائے گا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام توحید پرست تھے ان کی اولاد بھی شرک سے انتہائی متنفر تھی۔ شرک کے دلدادہ لوگوں کا ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ صحیح معنوں میں ابراہیمی تو صرف اور صرف میرے محمد ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ یہ "کلمات" سے مراد وہ آزمائشیں ہیں جن کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرکھا گیا۔ آگ میں کودنا، وطن سے ہجرت، بیٹے کی قربانی وغیرہ۔ اِمَامًا سے مراد ایسا رسول ہے جو پہلے کسی نبی کا متبع نہ ہو بلکہ اس کے بعد آنے والے تمام انبیاء اس کے متبع اور اس کی اولاد میں سے ہوں (بحر محیط) یہاں امام سے مراد وہ امامت نہیں جس کا تصور اہل تشیع پیش کرتے ہیں۔

قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

میری اولاد کو بھی نبوت و رسالت سے حصہ پہنچے گا۔ فرمایا ہاں پہنچے گا مگر ظالم اور نافرمان لوگ محروم رہیں گے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ

بیت اللہ کی دو خوبیوں کا تذکرہ فرمایا۔ مَثَابَةً ثواب کی جگہ یا بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ دوسری خوبی ہے امن کی جگہ۔ حدودِ حرم میں ہر ایک کو امن کا پروانہ عطا ہوتا ہے۔ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی اور ان کے قدموں کے واضح اور گہرے نشان پتھر پر ثبت ہیں۔ اس مقام کے قریب طواف بیت اللہ کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا کرنا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دونوں دعائیں اللہ نے قبول فرمائیں، چنانچہ مکہ مکرمہ امن کا گہوارہ بھی ہے اور دنیا بھر کے پھل ہر موسم میں وہاں فراوانی کے ساتھ دستیاب ہیں۔

تعلیم الحدیث

حسنِ معاملہ

ادارہ

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً اَوْ وَضَعَ عَنْہُ أَنْجَاہُ اللّٰہُ مِنْ کُرُبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ:

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اپنا حق اُسے معاف کر دیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں سے اس کو نجات بخشے گا۔

تشریح:

اگر اللہ نے کسی کو مال و دولت سے نوازا ہے تو وہ ناداروں اور تنگدستوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ نرم رویہ رکھے اور دکھ درد میں ان کے کام آئے۔ ضرورت پڑنے پر ان کو قرض دے، اور اگر قرض ادا کرنے میں تاخیر ہو جائے تو ان کے ساتھ سختی اور درشتی کا معاملہ نہ کرے، بلکہ ان کو مہلت دے، ممکن ہو تو قرض معاف کر دے۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا۔ جس دن ہر انسان اس تلاش میں ہو گا کہ کہیں سے کوئی مدد یا سہولت کا کوئی ذریعہ مل جائے۔

﴿فاتح کون؟﴾

کوئی بھی انسان پیدائشی طور پر فاتح نہیں ہوتا، بلکہ لوگ اپنے فعل و کردار کی وجہ سے فتح یاب ہوتے ہیں۔

ندائے حق

پاکستان کی قدر/مقصد پر نظر

نگران اعلیٰ

غلامی جیسی ذلت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ذلت نہیں اور آزادی جیسی نعمت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں۔ قرآن کریم نے آزادی کو بطور نعمت ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کو فرعونیوں سے نجات دی تو اسے ایک نعمت گردانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے باسیوں کو گویا دو آزادیوں سے نوازا۔ ایک انگریز اور دوسری ہندوؤں کی غلامی سے آزادی۔ اس نعمت پر ہمیں اللہ کے حضور شکر گزار ہونا چاہیے۔

آج صورت حال یہ ہے کہ پاکستان کی ہر حوالے سے ناقدری کی جارہی ہے۔ حکمران تو رہے اپنی جگہ، عوام بھی اس نعمت کی ناقدری میں کسی طور پیچھے نہیں۔ جس چیز کے لیے آزادی کی جنگ لڑی گئی اسے پس پشت ڈال کر ہم ان لاکھوں شہیدوں کے خون سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

69واں جشن آزادی منانے کے موقع پر کم سے کم اتنا ضرور غور کرنا چاہیے کہ ہم اپنی معاشی پالیسیوں اور خارجہ اور داخلہ امور طے کرنے میں کیا آزاد ہیں؟ کیا ہم دفاعی معاملات اور تجارتی ترجیحات خود طے کر رہے ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو بلاشبہ ہم آزاد ہیں اور آزادی پر فخر کرنا ہمیں زیب دیتا ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو کم از کم حکمرانوں اور قوم کو اس یوم آزادی کے موقع پر اپنے مقاصد میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے معاملات کو خود طے کرنے کے عزم کے ساتھ آزادی کے تحفظ اور اس کی برکات سے مستفید ہونے کا عزم کرنا چاہیے۔

پاکستان بنے قریباً 70 سال ہو گئے آج ہم یوم آزادی منا رہے ہیں لیکن افسوس نصف صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود وطن عزیز پاکستان اپنے تخلیقی مقاصد حاصل نہیں کر سکا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی منزل سے دور بدور ہوتا چلا جارہا ہے۔ تحریک آزادیٔ پاکستان "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے نعرۂ مستانہ سے شروع کی گئی۔ بت کدہ میں یہ وہ زمانہ تھا جس مسلمان نے بھی خواہ وہ چھوٹا تھا یا بڑا، مرد تھا یا عورت، جوان تھا یا بوڑھا، یہ آواز سنی تو کلمے کے تقدس اور غلبہ اسلام کے لیے دیوانہ وار دوڑ پڑا۔ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی پکار پر

لبیک کہتے ہوئے مسلمانان ہند نے اپنا تن من دھن قربان کرنے کی وہ بے مثال قربانیاں پیش کیں کہ دنیا آج بھی ورطہ حیرت میں ہے۔ جوانوں نے اپنے شباب کے نذرانے دیئے، والدین نے اپنے جگر گوشوں کو پیوند خاک ہوتے دیکھا، باعصمت دوشیزاؤں کی عصمتیں تار تار ہوئیں، خون کی ہولی کھیلی گئی، آگ و خون کے دریا پار کر کے اور سب کچھ لٹا کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کیا۔

لیکن پاکستان بننے سے لے کر آج تک اکثر ایسا طبقہ اس پر مسلط رہا جو نہ پاکستان کا خیر خواہ نہ مقصد پاکستان کے ساتھ مخلص۔ منافقین کے روپ میں غدار، اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کی مذموم سازشوں میں مصروف رہے۔ ماڈریٹ اسلام اور ماڈریٹ مسلمان کی اصطلاحیں اور روشن خیال جدید معاشرے کے نعرے اس ملک کو اپنی منزل سے دور اور پٹڑی سے اتارنے کی سازشوں کا حصہ ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ اس پاک سرزمین پر اسلام کا نام لینے والوں کو دہشت گرد گردانا جاتا ہے۔ اسلامی وضع قطع رکھنے والوں پر کڑی نظریں رکھی جا رہی ہیں۔

اسلام کا قلعہ کہلانے والا یہ ملک آج اسلام اور ملک دشمنوں کے نرغے میں ہے۔ اس ملک اور اس کے قومی اداروں کو صلیبی قوتیں اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔

بد دینی، بے حیائی، عریانی اور بے پردگی کے سیلاب کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے، اسلام اور اسلامی شعائر کا سر عام مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ہمارا ملکی میڈیا اس میں ہمہ وقت پیش پیش رہتا ہے۔ آئینی طور پر متفقہ چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے۔ "سوال کی حرمت" کی آڑ میں وہ وہ سوال اٹھائے جا رہے ہیں کہ جن کے پس پشت "خاص "لوگوں کا" مخصوص "ایجنڈا کار فرما نظر آتا ہے۔ اس وقت پاکستان ہر لحاظ سے خطرات سے دو چار ہے۔ نظریات اور جغرافیائی سرحدوں پر ظاہری و خفیہ میدانِ کارزار سر گرم ہے۔ بیرونی دشمن اور کچھ اندرونی آستین کے سانپ ملکی جڑیں کھوکھلی کرنے پر تلے ہیں۔

پاکستان دنیا کے نقشے پر واحد اسلامی ملک ہے جو نظریئے کے بنیاد پر معرض وجود میں آیا لیکن 70 سال گزرنے کے باوجود آزادی کے مقاصد حاصل نہ کیے جا سکے۔ آج پورا ملک بد امنی، قتل و غارت، قومی، لسانی، صوبائی تعصبات کی وجہ سے آگ اور خون کے کھیل میں رنگین ہو چکا ہے۔ ارباب اقتدار اگر ملک کو امن و امان اور امن کا گہوارا بنانا چاہتے ہیں تو ملک و قوم کا خیر خواہ بن کر اس میں اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام

کو رائج کریں۔ ملک کے امن کا ایک ہی راستہ ہے کہ قرآن و سنت کے نظام کو نافذ کیا جائے، تب ہی جا کر ملک اپنی آزادی کے حصول اور مقاصد حاصل کر سکے گا۔

مقامِ شکر ہے کہ ہمارا اکثر آئین اسلامی ہے، اگرچہ اس پر عمل درآمد میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اس وقت پاکستان ہر لحاظ سے خطرات سے دو چار ہے۔ نظریات اور جغرافیائی سرحدوں پر ظاہری و خفیہ میدانِ کارزار سر گرم ہے۔ بیرونی دشمن اور کچھ اندرونی آستین کے سانپ ملکی جڑیں کھوکھلی کرنے پر تلے ہیں۔

جس طرح نعمت کی قدر کا صلہ نعمت میں اضافے کی صوت میں ملتا ہے، اسی طرح نعمت کی ناقدری کی سزا وہ نعمت چھن جانے کی صورت میں ملتی ہے۔ ہم اس انتہاء تک نہ جائیں کہ جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ اس نعمت کی قدر اور شکر یہ ہے کہ اسے جن مقاصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا ان مقاصد کے پورا کرنے میں ہم حتی الامکان پوری کوشش کریں۔ ہم آواز اٹھائیں جہاں تک اٹھا سکتے ہیں۔ لوگوں میں شعور پیدا کریں، انہیں پاکستان سے محبت کرنا سکھائیں، جس طرح ذاتی گھر کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح اس کی بھی حفاظت کریں۔ جیسے اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، ایسے ملک کو بھی صاف ستھرا رکھیں، قوانین کا احترام کریں، ملکی وقار کی ضمانت بنیں۔

دشمن کے عزائم کو خاک میں ملائیں۔ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر ملک پاکستان کی حفاظت کے لیے دعا مانگیں۔ ایک ملک صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں ہوا کرتا، بلکہ یہ دھرتی ماں ہے۔ ہم اس کی عزت، اس کے وقار کے لیے تن من دھن قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ پیارے وطن کا حامی و ناصر ہو۔

ابو معاویہ

﴿عظیم مقصد﴾

کسی عظیم مقصد سے مکمل وابستگی کے بغیر عظیم کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔

کسی عظیم مقصد میں کامیابی کے حصول کے لیے آپ کو دوسروں کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔

اصلاح عقائد و اعمال

دین اسلام کیا ہے۔۔۔؟

مولانا عبد الباری راشد
مدرس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اسلام کسی قوم اور ذات برادری کا نام نہیں ہے کہ اس میں پیدا ہونے والا ہر فرد خود بخود مسلمان ہو جس طرح شیخ یا سید خاندان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ خود بخود شیخ یا سید ہو جاتا ہے۔ اور اس کو شیخ یا سید بننے کے لیے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ بلکہ اسلام نام ہے اس دین کا اور اس طریقے پر زندگی گزارنے کا، جو اللہ کے سچے رسول ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے لائے تھے، اور جو قرآن مجید اور احایث رسول ﷺ میں بتلایا گیا ہے۔ پس جو کوئی اس دین کو اختیار کرے اور اس طریقے پر چلے وہی اصلی اور کامل مسلمان ہے۔ اور جو لوگ نہ اس دین کو جانتے ہیں اور نہ اس پر چلتے ہیں وہ اصلی اور کامل مسلمان نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی اور کامل مسلمان بننے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے ایک، دین اسلام کو جاننا اور کم از کم ضروری اور بنیادی باتوں کا علم حاصل کرنا، دوسرا اس کو مان کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنا۔

دین اسلام اور اسلامی شریعت کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات وہدایات پر ہے جو آپ ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے لائے اور قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں محفوظ ہیں، یہی دین اسلام کی اساس وبنیاد ہے۔ پھر ان میں سے کچھ کا تعلق عقائد سے ہے اور کچھ کا تعلق اعمال سے، یعنی ایک حصہ تو وہ ہے جس میں کچھ ایسی حقیقتوں کی اطلاع دی گئی ہے جن کو بندے از خود نہیں جان سکتے تھے اور بندوں کو یہ حکم ہے کہ ان حقیقتوں کو مانیں اور ان پر ایمان لائیں۔ یہ اسلام کا ایمانی اور اعتقادی حصہ ہے جو کہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور دوسرا وہ حصہ ہے جس میں عملی زندگی کے متعلق احکام وہدایات ہیں کہ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو۔ یہ اسلام کا عملی حصہ ہے جس کے بہت سے شعبے ہیں مثلا عبادات کا شعبہ اخلاق اور آداب کا شعبہ، دین کی خدمت ونصرت اور جہاد کا شعبہ، معاملات ومعاشرت کا شعبہ اور سیاست وحکومت کا شعبہ وغیرہ۔

عقیدہ سے مراد انسان کے وہ پختہ اور اٹل نظریات ہیں جو اس کے دل کی گہرائیوں میں انتہائی مضبوطی اور پختگی کے ساتھ رچے بسے ہوئے ہوں اور اسے کسی صورت ان نظریات سے دستبرداری منظور نہ ہو۔ عقیدہ دین کی اصل اور بنیاد ہے اور عمل اس کی فرع ہے۔ عقیدہ کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں پس جس کا اعتقاد درست ہو اور عمل مفقود اور کمزور ہو تو اس کے لیے نجات کی امید کی جاسکتی ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو گناہوں کے موافق سزا دے۔ البتہ جہنم کا دائمی عذاب عقائد اور ضروریات دین کے منکر کے لیے مخصوص ہے اور عمل نہ کرنے والے کو اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن صحیح عقیدے اور ایمان کی بدولت دائمی عذاب سے محفوظ ہو گا۔

چونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات اور کامل دستور العمل ہے جو عقائد وعبادات، اخلاق ومعاملات، معاشرت وسیاست، دین کی خدمت، نصرت، جہاد اور زندگی کے تمام شعبوں پر مشتمل احکام وہدایات کا زرین مجموعہ ہے۔ اس لیے کسی ایک شعبہ کو اختیار کر کے دوسرے احکام اور شعبہ ہائے زندگی کو نظر انداز کرنا یا ان کی حیثیت کو کم کرنا اسلام کی روح کے خلاف ہے بلکہ دین اسلام کے یہ تمام شعبے ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ مسلمان وہ کہلاتا ہے جو اس کامل ومکمل دستور ونظام کو دل کی گہرائی سے سچ جان اور مان کر اس کے مطابق اپنی انفرادی واجتماعی زندگی استوار کرے۔

دین اسلام کی خصوصیات:

دین اسلام مسلمان کے لیے کیا لائحہ عمل اور نظام زندگی پیش کرتا ہے۔ اسے جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ دین اسلام کے خصوصیات وامتیازات کے بارے میں کچھ گفتگو کی جائے، جس طرح ہر زندہ اور متحرک چیز کا ایک خاص مزاج اور کچھ نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں جن سے اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے اور وہ اس کی صفاتِ ممیزہ قرار پاتی ہیں۔ اسی طرح دین اسلام کی بھی اپنی خصوصیات اور امتیازات ہیں جس کی بناء پر وہ دیگر تمام ادیان سے ممیز اور ممتاز ہے۔ مثلاً دین اسلام میں سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح پر زور دیا جاتا ہے تمام انبیاء کرام کی دعوتی زندگی کا آغاز عقیدے ہی کی اصلاح سے ہوا۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر نیک کام میں رضاء الٰہی کے حصول کا درس دیتا ہے۔ تمام بنیادی عقائد، فرائض وارکان میں کسی قسم کی لچک اور مصالحانہ موقف اختیار نہیں کرتا البتہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں

حکمت سے کام لینا الگ بات ہے۔اسی طرح یہ دین اصل زور آخرت کی زندگی کی کامیابی اور سعادت پر دیتا ہے ایمان بالآخرت کی دعوت محض ایک ضابطہ اور ضمنی طور پر نہیں ہوتا بلکہ ایک اہم عقیدے اور نصب العین کے طور پر ہوتا ہے۔اس دین میں اللہ تعالی کو حاکم اعلی کی حیثیت حاصل ہے۔ دین اسلام کی رو سے اللہ تعالی کے حاکم حقیقی اور فرمانروائے مطلق ہونے کا مطلب صرف اللہ تعالی کو حاکم اعلی اور آمر مطلق سمجھنا نہیں بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ اللہ تعالی سے دل وجان سے محبت کی جائے، ہر وقت اور ہر عمل میں اس کا استحضار رہے اوراس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا جذبہ ہمہ وقت بیدار رہے۔

دین اسلام ہر اعتبار سے کامل و مکمل اور دائمی دستور حیات ہے جو دین و دنیا کے لیے جامع ترین ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس دین کی اصل حقیقت تر و تازہ اور محفوظ ہے اور ہر دور کے لیے قابل فہم اور لائق عمل ہے۔ ہر قسم کی تغیر و تبدل اورانحراف سے محفوظ ومامون ہے۔یہ دین صرف کوئی نظریاتی اور عقلی فلسفہ نہیں کہ صرف دماغ میں بسایا جائے یا کتب خانوں تک محفوظ ہو بلکہ ایک عملی دین ہے جو کہ زندگی کو ایک خاص رنگ میں رنگتا ہے، سب سے بڑھ کر خصوصیت اس دین کی یہ ہے کہ یہ اس خالق کائنات کی طرف سے آیا ہوا دستور ہے جو ہر دور کے انسانوں کے حالات و مزاج سے خوب واقف ہے۔

مسلمانوں کی زندگی کالائحہ عمل:

دین اسلام چونکہ اپنے ماننے والوں کے لیے جو نظام زندگی اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے اس میں سب سے پہلا مطالبہ صحیح عقائد رکھنے کا ہے اس لیے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے اپنے عقائد درست کرنا اور قرآن وسنت اوراہل السنہ والجماعہ کے موافق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

اسلامی عقائد:

مسلمان کے لیے اللہ تعالی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اس کائنات کا ایک قدیم صانع وخالق موجود ہے جسے اللہ تعالی کہتے ہیں، جو حی و قیوم، لم یزل ولایزال ہے۔ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام عیوب ونقائص اور بشری تقاضوں سے منزہ ہے۔اس کا علم کامل ہر چیز پر محیط ہے، اور وہ قادر مطلق، ہر چیز اس کے تصرف واختیار میں ہے۔ صفات ربوبیت والوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک وساجھی نہیں۔ ہر قسم کی عبادات کا وہ تنہا مستحق ہے۔ تمام مخلوق اس کے آگے محتاج وذلیل ہیں، وہی اکیلے تمام کائنات کا نظام چلاتا ہے، کوئی اس کا معین ومددگار نہیں، اس کا ہر قول وفعل حکمت سے لبریز ہے، وہ جسم،

جوہر و عرض اور حدود سے پاک ہے، خیر و شر اور نفع و نقصان کا تنہا مالک ہے، حلول و اتحاد اور حدوث سے پاک ہے، عرش پر مستوی ہے، قیامت کے دن مومن اس کے دیدار سے مشرف ہونگے۔ کوئی چیز اس پر واجب نہیں کہ وہ کسی سے مجبور ہو۔ ہر قسم کے فیصلے (بیماری، شفاء رزق وغیرہ) اسی کی طرف سے آتے ہیں۔ تقدیر اچھی ہو یا بری، اسی ہی کی طرف سے ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی ذات وصفات اور افعال میں کسی بھی مخلوق کو حصہ دار اور شریک ٹھہرانا ناقابل معافی اور سخت ترین جرم ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا، کسی اور کے نام کی نذر و نیاز دینا اور قربانی کرنا، کسی اور کو غائبانہ پکارنا اور متصرف فی الامور سمجھنا، کسی بھی مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو اللہ تعالی کی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص ہو اور جو عبودیت اور بندگی کا شعار ہو، شرک ہے جبکہ اللہ تعالی کو اس کی ذات وصفات اور افعال میں وحدہ لاشریک لہ اور اپنی صفات و کمالات میں بے مثل تسلیم کرنا توحید ہے، نیز اللہ تعالی کی صفات سے انکار یا اس میں اللہ تعالی کی شان کے خلاف تاویل کرنا ممنوع ہے۔

- اسی طرح اللہ تعالی کی نورانی مخلوق ملائکہ اور ناری مخلوق جنات وشیاطین کے وجود پر بھی عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں کلام اللہ ہونے اور ہر قسم کی تغیر و تبدیلی، ترمیم واضافہ سے محفوظ ہونے، اور انس و جن کے لیے کامل ہدایت اور آخری دستور العمل اور کتب سابقہ کے لئے ناسخ ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ لوح محفوظ و قلم، عرش و کرسی، معاد جسمانی، جزاء وسزا پل صراط، حوض کوثر، جنت و جھنم کے موجود ہونے پر یقین رکھنا، کافر و فاسق کے لیے عذاب قبر اور مومن کے لیے قبر کی آرام وراحت، منکر و نکیر کے (اللہ، رسول اور دین کے بارے میں) سوال کرنے کا عقیدہ رکھنا، اہل قبلہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو مسلمان سمجھنا جب تک کہ منافی اسلام کسی کام کا ارتکاب اور ضروریات دین سے انکار نہ کرے اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھنا اور اہل کبائر کے بارے میں شفاعت کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا۔
- اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت، انکے ذریعہ بندوں کو امر و نہی کا مکلف بنانا، انبیاء کرام کے معجزات، ان کے بارے میں سلامتی فطرت، مثالی اخلاق اور گناہوں سے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین اور افضل الانبیاء والمرسلین ماننا، آپ کی دعوت اور دین کو ساری دنیا اور تمام انس و جن کے لیے عام ماننا، اب دنیا میں صرف آپ ﷺ ہی کے لائے ہوئے

دین، دین اسلام کو حق اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھنا۔ اسراء و معراج کا بحالت بیداری ہونا، ان تمام باتوں پر یقین رکھنا۔

- اللہ تعالی کے نیک بندوں اولیاء کرام کی کرامات ماننا اور ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ کرامات ولی کے اختیار میں نہیں ہوتیں اور نہ کوئی ولی نبیؑ کے درجے تک پہنچ سکتا اور نہ کوئی اللہ کا بندہ شریعت سے باہر غیر مکلف ہے کیونکہ تکلیف شرعی کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتی اگرچہ عبادت وریاضت کے بلند مقام پر پہنچے۔ کوئی بھی ولی صحابہؓ سے افضل نہیں ہو سکتا۔
- انبیاء کرام کے بعد افضل ترین مخلوق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں عشرہ مبشرہ کے لیے جنت کی گواہی دینا، اہل بیت اور ازواج مطہرات (امھات المومنین) رضی اللہ عنہن کی عظمت وتوقیر کرنا اور ان سے محبت رکھنا، اہل بدر اور بیعت رضوان میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقام کا اعتراف کرنا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل سمجھنا (اگرچہ وہ معصوم نہیں البتہ مغفور ضرور ہیں)، انکے مابین نزاعات واختلافات کے بارے میں کف لسان اور احتیاط سے کام لینا اور ان کا ذکر خیر کرنا اور ذکر بد سے اجتناب کرنا۔
- نبی کریم ﷺ کے بعد خلفاء اربعہ کو علی الترتیب امام وخلیفہ برحق اور افضل الامہ سمجھنا، نیز ضروریات دین (یعنی وہ دینی باتیں اور دینی حقیقتیں جن کا تعلیم رسول ﷺ ہونا بالکل یقینی ہو اور ان کو ہر دور میں ایسا تواتر اور ایسی عام شہرت حاصل رہی ہو کہ اُس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو) میں سے کسی چیز کا انکار کرنا یا شریعت کا مذاق اڑانا اور دین کے احکام کے ساتھ تمسخر کرنا کفر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی شرائط کے ساتھ واجب سمجھنا، تمام انبیاء کرام ورسل علیہم السلام اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کے درمیان تفریق کرنا جائز نہیں۔ بندوں کے افعال اللہ تعالی کے خلق اور بندوں کے کسب سے ہیں۔

- علامات قیامت ظہور مہدی، دجال لعین، نزول عیسیٰؑ، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ دیگر علامات جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں کو ماننا۔

- مسلمانوں کی اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کو حق اور امت کے درمیان افتراق وانتشار کو گمراہی اور عذاب کا سبب سمجھنا، دین اسلام کو ہر اعتبار سے کامل سمجھ کر ہر قسم کی بدعات وخرافات اور جاہلی رسم ورواج سے اجتناب کرنا۔

مندرجہ بالا تمام باتوں پر اہل سنت والجماعت کی تشریح وتفصیل کے مطابق عقیدہ رکھنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی پہچان:

اہل السنہ والجماعہ کا امتیاز اور پہچان یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو دین کی اصل واساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت یعنی آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے طرز عمل کو قرآن کی شرح سمجھتے ہیں۔ جو چیزیں قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہیں اور سنت رسول ﷺ میں ان کا بیان ہے ان کے نزدیک وہ بھی واجب الاتباع اور جزو دین ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی یہ حیثیت تسلیم کرنے کے ساتھ وہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کا جو منشاء انہوں نے سمجھا اور جن امور پر ان کا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب الاتباع ہیں۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کے خلاف اپنی کوئی رائے رکھے۔ دین کی کسی حقیقت اور کسی مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع واتفاق کے معنی اہل السنت والجماعت کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ مسئلہ بالکل قطعی ہے اور اس سے اختلاف کرنا ضلالت ہے۔

اسلامی عقائد میں سے توحید، آخرت اور رسالت کو امہات العقائد (بنیادی عقائد) کہتے ہیں اگرچہ ان کے علاوہ دوسرے عقائد پر ایمان لانا اور یقین کرنا مسلمان ہونے کے لیے شرط ہے۔ لیکن ان تین عقیدوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جس زندگی کا پیغام اللہ تعالی کی طرف سے لاتے ہیں اس کا پورا نظام ان ہی تین بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ وہی شخص اس زندگی کو اپنا سکتا ہے جو ان تین بنیادی باتوں کو تسلیم کرے گویا اسلامی زندگی کی یہ تین فکری اور اعتقادی بنیادیں ہیں اسی لیے دین میں ان کی خاص اہمیت ہے اور اسی وجہ سے ان کو امہات العقائد کہتے ہیں۔

﴿مہارت﴾

مہارت کام کو محبت میں بدل دیتی ہے۔

عبادات

قربانی کی تاریخ اور حقیقت

ابن فیضعلی درانی

قربانی رسم نہیں ایک عبادت بلکہ روح عبادت کی تصویر ہے۔ بائبل کی عہد قدیم اور عہد جدید میں جو صحائف انبیاء جمع ہیں ان سب میں قربانی کا حکم پایا گیا ہے۔

قربانی یعنی کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت شروع ہوا ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی۔ سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل نے دی۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ [مائدہ] یعنی جب کہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی ۔ حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی، آگ نے ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان پہلے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا دیتی تھی یہی قبولیت کی علامت تھی جیسا کہ سورۃ آل عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے کہ: بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ "یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے۔"

اسی طرح اس زمانہ میں کفار سے جہاد کے ذریعہ جو مال غنیمت ہاتھ آتا تو اس کو بھی آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

اُمت محمدیہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مال غنیمت ان کے لیے حلال کر دیئے گئے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے خصوصی فضائل اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ یعنی میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے بعض غیر مسلموں نے اسلام قبول نہ کرنے کا ایک عذر یہ بھی پیش کیا کہ پہلے انبیاء کرام علیہم

السلام کی قربانیوں کو آگ کھا جایا کرتی تھی، اور آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا، اس لیے ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔ سورۃ آل عمران میں اس عذر لنگ کو بیان کر کے یہ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم انہیں پر کونسا ایمان لائے ہو، تم نے تو ان کو بھی جھٹلا دیا ہے بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا۔ دراصل ان کا یہ قول حق طلبی کے لیے نہیں بلکہ حیلہ جوئی کے لیے تھا۔

جانور کی قربانی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے اور قربانی کا خاص ایک طریقہ کہ آسمانی آگ آکر اس کا جلا دے۔ یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زمانہ تک تمام انبیاء سابقین کے دور تک مشہور رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اللہ کی طرف سے خواب میں اپنے لخت جگر کے قربان کرنے کا حکم ملا، اشارہ پاتے ہوئے باپ بیٹا دونوں تیار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سچی تعمیل اور اخلاص کی بدولت جانور کی قربانی کو بیٹے کے قربانی کا قائم مقام بنایا اور اس مبارک و عظیم قربانی کی یادگار اس ملت حنیفیہ میں جاری رکھی اور ہر سال اس کا دہرانا اہل استطاعت پر لازم کر دیا گیا

۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد زمانہ جاہلیت میں بھی قربانی کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر وہ بتوں اور غیر اللہ کے نام پر قربانی کرتے تھے، اسی طرح آج تک دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے ،بتوں کے نام پر، یا مسیح یا کسی اور بزرگ ہستی کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۃ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہو سکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں شرائط کے بعد واجب ہے اور آپ ﷺ مسلمانوں کو اس کی تاکید بھی فرماتے تھے، اسی لیے جمہور علماء اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے، ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس لیے حکم دیا کہ تم جانور ذبح کر دو، ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

قربانی کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثار نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب الی اللہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی روح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈالی جاتی ہے، غرض اللہ تعالیٰ نے جو صورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی تب وہ روح اس میں ڈالی جائے گی۔ اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہو گی۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کر دو۔'' [آل عمران]

اور مال محبوب چیز ہے۔ مال میں سے جانور بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے کیونکہ جاندار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسرا گھڑ کر بنا سکتا ہے، بخلاف جاندار کے کہ اگر فنا ہو گیا تو دوسرا ویسا نہیں ملتا۔ اور یہ مال ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہو تو وہ بے کار ہے، اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کو خرچ نہ کرے۔ تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) جو اعلیٰ ترین نفع ہے، وہ محبوبات نفس قربان کیے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

وہ محبوبات کیا ہیں؟ جان، مال، اولاد، عزت، آبرو وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے''۔ [التوبہ]

غرض کہ آپ کو ان میں سے ہر چیز مٹانی ہو گی، تب کہیں بندگی کا اظہار ہو گا۔ در حقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ جیسے اگر سونا خرید اجائے تو اس کو کسوٹی پر گھس گھسا کر دیکھا جاتا ہے، اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے لکیروں کی نہیں جو کسوٹی پر پڑ جاتی ہیں۔

پس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض ایمان کی قیمت ادا کرنا ہو گی وہ ہمارے اعمال، ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں۔ اس لیے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں

"محبوبات نفس" کو قربان کرنا لازمی ہے۔ اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو مال خرچ کرو، جان دینے کا حکم ہو تو جان نثار کرو، عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو، یہی عشق کی پختگی کی علامات ہیں۔

سیرت وتاریخ

خلیفۂ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیکر جود وسخا

اٹھارہ ذوالحجہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کی مناسبت سے مضمون

مولانا عابد علی پشاوری
مدرس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب پیکرِ صدق ووفا، ہدایت کا سرچشمہ اور ظلمتوں کے اندھیرے میں روشنی کا وہ عظیم مینار ہیں، جن سے جہان ہدایت پاتا ہے، وہ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لئے پیکرِ رُشد وہدایت ہیں۔

صحابہؓ ستارے ہیں، جس کی پیروی کرنے سے انسان ہدایت پاتا ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم صفات سے مُتصف فرما کر صحابہؓ میں ممتاز فرمایا، جو اُن ہی کا حصہ ہے۔ حیا کا ایسا پیکر تھے کہ فرشتے بھی آپ رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ عشرۂ مُبشرۃ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت دی۔ سیدنا حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عثمان رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اگلے اور پچھلے کام بخش دیئے اور وہ کام جو تم نے پوشیدہ کیے اور جو ظاہر کیے اور وہ جو قیامت تک ہونے والے ہیں"۔

ایامِ جاہلیت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان غیر معمولی وجاہت وحشمت کا حامل تھا۔ اُمیہ بن عبد شمس کی طرف نسبت کے سبب آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو اُمیہ کہلاتا ہے، بنو ہاشم کے بعد شرف وسیادت میں کوئی خاندان یا قبیلہ بنو اُمیہ کا ہم پلہ نہ تھا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پُشت میں عبدِ مناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں، اس رشتے سے آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتے دار تھے۔

آپ کی ولادت عام الفیل کے چھٹے سال ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ چوتھے شخص ہیں، جس نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا، پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے مکہ سے حبشہ ہجرت فرمائی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں، تو میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیتا حتیٰ کہ اُن میں سے کوئی باقی نہ رہتی"۔

سیدنا مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا بیان کیا، اُس وقت ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے گزرا، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شخص اُس دن (یعنی فتنوں کے دور میں) ہدایت پر ہوگا" میں نے جا کر دیکھا تو وہ شخص سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ [ترمذی]

سخاوت:

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں صدق واخلاص، وفاشعاری وجاں نثاری کا عملی نمونہ تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال راہِ خدا میں لٹا دیتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی رضا کو اپنی متاعِ حیات کا بیش بہا خزانہ بنا لیتے ہیں، یہی جذبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں نظر آتا ہے لیکن سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہر مشکل موقع پر اسلام اور عظمتِ اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرتے نظر آتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ صدق ووفا کا پیکر تھے اور راہِ خدا میں اپنا مال بے دریغ لٹاتے رہے۔ مدینہ منورہ میں جب قحط پڑا تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں (مدینہ میں) قحط پڑا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم صبح نہیں کرو گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر (رزق) کشادہ فرما دے گا۔

اگلے دن صبح یہ خبر ملی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ گندم اور اشیائے خوراک کے منگوائے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدینے کے تاجر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لائے، اس حال میں کہ چادر آپ رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر تھی اور اُس کے دونوں سرے مخالف سمت میں کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مدینے کے تاجروں سے پوچھا کہ تم لوگ کس لئے آئے ہو؟، کہنے لگے: ہمیں خبر پہنچی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار اونٹ غلے کے آئے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ اُنہیں ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجیے تاکہ ہم مدینے کے فقراء پر آسانی کریں، آپ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: اندر آؤ، پس وہ اندر داخل ہوئے، تو ایک ہزار تھیلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں تمہارے ہاتھ فروخت کروں، تم مجھے کتنا منافع دو گے؟۔

اُنہوں نے کہا: دس پر بارہ، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ اور بڑھاؤ، اُنہوں نے کہا دس پر چودہ، آپ نے فرمایا: اور بڑھاؤ، اُنہوں نے کہا: دس پر پندرہ، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور بڑھاؤ، اُنہوں نے کہا: اِس سے زیادہ کون دے گا، جبکہ ہم مدینے کے تاجر ہیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے گروہِ تجار تم گواہ ہو جاؤ کہ (یہ تمام مال) میں نے مدینہ کے فقراء پر صدقہ کر دیا۔ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رات گزری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خواب میں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہی مائل سفید سواری پر تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک قندیل تھی جس سے روشنی نور کی طرح پھوٹ رہی تھی، نعلین مبارک کے تسموں سے نور پھوٹ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، میری رغبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھ رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی اُس نیکی کا بدلہ ہے جو اُس نے ایک ہزار اونٹ اللہ کی راہ میں صدقہ کیے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے قبول فرمایا اور اُس کا نکاح جنت کی ایک حور سے فرمادیا اور میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خوشیوں میں شریک ہونے جارہا ہوں"۔ [اِزالۃ الخفا، جلد2، ص:224]

خلافت اور شہادت:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا، آذربائیجان، آرمینیا، طرابلس، الجزائر اور مراکش فتح ہوئے۔ 28 ہجری میں بحیرۂ روم میں شام کے قریب قبرص جو بحری جنگ کے ذریعے فتح ہوا۔ 30 ہجری میں طبرستان، 33 ہجری میں قسطنطنیہ سے مُتصل مرو در، طالستان اور جوزجان فتح ہوئے۔ فتوحات کا یہ سلسلہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تعطل کا شکار ہو گیا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے اخیر میں فتنوں اور سازشوں نے سر اٹھالیا۔ کابل سے مراکش تک مفتوحہ علاقوں میں مختلف مذاہب کی ماننے والی سینکڑوں اقوام آباد تھیں، فطری طور پر مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات اُن میں موجود تھے، نتیجۃً مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا گیا، جس میں یہودی اور مجوسی اور اُن کے تیار کردہ سائی ٹولہ پیش پیش تھا۔

اِسی سازش کے نتیجے میں بصرہ، کوفہ اور مصر سے تقریباً دوہزار فتنہ پرداز (باغی) اپنے مطالبات منوانے کے لئے حاجیوں کی وضع میں مدینہ پہنچے، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا جو 40 روز تک جاری رہا، باغیوں نے کھانا پانی سب جانے کے راستے بند کردیئے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں پہنچانے کی کوشش کی تو باغیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا لحاظ رکھے بغیر بے ادبی سے مزاحمت کی اور اُنہیں واپس کردیا۔

حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی جانثاروں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے۔ محاصرہ کے دوران حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی عظیم جماعت یہاں موجود ہے، ان باغیوں کو نکال باہر کیجیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پچھلی جانب سے مکہ چلے جائیں، مکہ حرم ہے، وہاں یہ آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی صورت کا جواب یہ دیا کہ اگر میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں اس اُمّت کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو اپنی حکومت کی بقا کے لئے مسلمانوں کا خون بہائے، دوسری صورت کا جواب دیا کہ مجھے ان لوگوں سے یہ توقع نہیں ہے کہ یہ حرم مکہ کی حرمت کا کوئی لحاظ رکھیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس مُقدّس شہر کی حرمتیں پامال ہوں اور میں دارالہجرت اور دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جانا چاہتا۔ [مسند امام احمد بن حنبلؒ]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آکر جنگ کی اجازت چاہی کہ انصار دروازے پر منتظر کھڑے ہیں، آپ نے اُنہیں منع فرمادیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے دوہزار سے بھی کم افراد تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے اندر اور باہر ان کے جانثار اس سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے، آخری وقت تک یہ سب آپ سے اجازت طلب کرتے رہے کہ ہم باغیوں کا مقابلہ کریں گے اور اُن کا محاصرہ توڑیں گے، لیکن آپ نے اُنہیں اس کی اجازت نہ دی، آپ کا ایک ہی جواب تھا:

"میں اپنی ذات یا اپنی خلافت کی خاطر مسلمانوں کی تلواریں باہم ٹکراتے نہیں دیکھ سکتا"۔

جمعۃ المبارک اٹھارہ ذوالحجہ 35 ہجری کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں: عثمان جلدی کرو، ہم تمہارے افطار کے منتظر ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔[طبقات ابن سعد] بیدار ہو کر آپ نے لباس تبدیل کیا اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوگئے، تھوڑی دیر بعد باغیوں نے حملہ کیا اور آپ کو تلاوتِ قرآن فرماتے ہوئے شہید کر دیا، اس وقت آپ قرآن مجید سورۂ بقرہ کی آیت: 137 جس کا ترجمہ یہ ہے: (تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والا ہے) کی تلاوت فرمارہے تھے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور عظمت پر لاکھوں سلام، کہ آپ نے اپنی ذات اور خلافت کے دفاع کے لئے مدینے کی سرزمین اور مسلمان کی حرمت کو پامال نہ ہونے دیا۔ جانثار آپ پر قربان ہونے کی اجازت طلب کرتے رہے لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔

شہید کا خون جس جگہ گرتا ہے، وہ جگہ اُس کی شہادت کی گواہی دیتی ہے۔ کسی کا خون کربلا کی سرزمین پر گرا، کسی کا اُحد کی گھاٹیوں میں، کسی کی شہادت گاہ میدانِ بدر۔ یہ مقامات اُن شہداء کی شہادت کی گواہی دیں گے لیکن اے عثمان غنی رضی اللہ عنہ تمہارے خون کی عظمتوں کو سلام جو قرآن کے اوراق پر گرا اور قیامت کے دن قرآن کریم کے اوراق آپ کی شہادت کی گواہی دیں گے۔ روزِ محشر ہر شخص اُس حال میں اٹھایا جائے گا جیسا کہ اپنی موت کے وقت وہ دنیا سے گیا، کوئی اَحرام باندھے ہوئے اٹھے گا، کوئی سجدہ کرتے ہوئے، آپ کی عظمتوں کو سلام کہ روزِ محشر آپ قرآن پڑھتے ہوئے اٹھیں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

﴿تعلیم کا مطلب کیا ہے؟﴾

سیکھنے کا عمل انسان کی موت تک جاری رہتا ہے، تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ نئی اور مفید باتوں کو سیکھا جائے اور بری اور بے فائدہ باتوں کو بھلا دیا جائے۔

تعمیر فکر و کردار

کروڑوں کا سودا

خالد رحمٰن
ڈائریکٹر IPS اسلام آباد

حضرت! بہت غریب ہوں، تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں، پاؤں میں پہننے کو جوتا نہیں، پیٹ خالی ہے، بے یار و مددگار ہوں، کچھ مدد کیجئے۔

پھٹے حال نوجوان نے نہایت رنجیدہ صورت بنا کر سوال کیا!

سمجھ دار اور دانا شخص نے غور سے اس نوجوان کو دیکھا، اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی اور پھر پوچھا: واقعی تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟

نوجوان کو کچھ ملنے کی آس ہوئی تو مزید رونی صورت بنا کر بولا:

جی ہاں! بالکل بے سروسامان ہوں۔

تو گویا تمہیں رقم درکار ہے؟

جی ہاں! نوجوان نے رقم کی بھیک مانگی۔

اور تمہارے پاس کچھ نہیں؟ جی ہاں! نوجوان نے جواب دیا۔

اچھا تو ایسا کرو، میرا ایک تاجر دوست ہے۔ وہ انسانی اعضا کا کاروبار کرتا ہے۔ اس کے پاس چلے جاؤ۔ میرا حوالہ دینا وہ تم سے تمہارے دونوں ہاتھ ایک لاکھ روپے میں خرید لے گا۔

نوجوان کے لیے یہ جواب بہت غیر متوقع تھا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا: آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ میں اپنے جسم کا کوئی ایک حصہ بھی ایک لاکھ تو کیا کروڑوں میں بھی نہ دوں گا۔

یعنی تمہارے جسم کی اور اس کے ایک ایک حصے کی قیمت کروڑوں روپے سے بھی زیادہ ہے؟ پھر تم بالکل غریب نہ ہوئے۔ جاؤ اور اپنے اس کروڑوں کے جسم کو حق حلال اور محنت کی روزی کے لیے استعمال کرو۔ اس دانا شخص نے نوجوان کو مشورہ دیا۔

درحقیقت صحت مند اور توانا جسم انسان کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، اور جسے یہ نعمت حاصل ہو اُس کا دنیا کی کسی بھی نعمت سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ کسی صحت مند انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی محنت

اور ذہانت کے ذریعے باعزت روزگار اختیار کرنے کے بجائے مانگے تانگے پر گزارا کرے۔ یہ رویہ ایک جانب تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری ہے جو صحت مند جسم کی صورت میں اُسے حاصل ہوئی ہے اور دوسری جانب پستی، کم ہمتی، لالچ، کام چوری اور دوسروں کی دست نگری کی ایک ایسی عادت کی علامت ہے جو اگر معاشرے میں عام ہو جائے تو وہ معاشرہ رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتا ہے۔

غربت اور تنگ دستی ایک بڑی آزمائش ہے اور بلاشبہ یہ آزمائش بعض اوقات اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ دو وقت کی روٹی بھی بمشکل فراہم ہو پاتی ہے۔

ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات بیک وقت غریب اور امیر اور مسکین اور دولت مند دونوں کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ بھیک مانگنے کو خلافِ تقویٰ قرار دیا گیا۔ مشکلات اور تنگ دستی میں صبر اور عام زندگی میں بھی قناعت کی تعلیم دی گئی اور محنت سے روزی کمانے کو عبادت کا مقام دیا گیا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مجھے یہ ضمانت دے کہ وہ کسی سے مانگے گا نہیں تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

[ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ]

اس طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کسی کا رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھا کر لانا (اور انہیں بیچ کر گزر اوقات کرنا) کسی دوسرے سے بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔

[صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ]

دوسری جانب دولت مند طبقات کے لیے یہ راہنمائی دی گئی ہے کہ جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے، اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ، اگرچہ چھوہارے کی ایک پھانک ہی کیوں نہ ہو اور قرآن مجید میں آیت ربانی ہے:

مانگنے والے کو جھڑکی نہ دو۔ [الضحیٰ:۱۰]

چنانچہ دیکھا جائے تو ہر شخص کا امتحان یہی ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے حالات کے مطابق محنت، قناعت، صبر اور ہمدردی، تعاون اور فیاضی اور امداد و اعانت کا موزوں ترین رویہ اختیار کرے۔

مغرب اور اسلام

اسلام اور خواتین کے حقوق

علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

انسانی نسل کی بقا اور معاشرت کی گاڑی جن دو پہیوں پر رواں دواں ہے، ان میں ایک عورت ہے جس کا نسل انسانی کی نشو نما اور ترقی میں اتنا ہی عمل دخل ہے جتنا مرد کا ہے۔ اس لیے اسلام نے عورت کے وجود کو نہ صرف تقدس اور احترام بخشا بلکہ اس کی اہمیت و افادیت کا بھرپور اعتراف کیا ہے اور اسے ان تمام حقوق اور تحفظات سے نوازا ہے جو مرد اور عورت کے فطری فرائض کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عورت کو انسانی معاشرہ میں ایک آزاد اور خود مختار وجود کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ بالخصوص جاہلی معاشرہ میں عورت کو نہ وراثت میں حقدار تسلیم یا جاتا تھا اور نہ اس کی رائے کو وقعت دی جاتی تھی، بلکہ بعض علاقوں میں تو عورت اور جانور میں کوئی فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ مگر جناب نبی اکرم ﷺ نے عورت کے بارے میں جاہلی تصورات کی نفی کی اور اسے وہ تمام حقوق اور تحفظات بخشے جو فطری طور پر اس کے لیے ضروری ہیں۔ جناب نبی اکرم ﷺ کا دور اور خلافت راشدہ کا زمانہ اسلام کی عملداری کے لحاظ سے ایک مثالی دور ہے۔ اور جب ہم اس دور میں عورت کے معاشرتی مقام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں عورت کے حوالہ سے اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کے وہ تمام اعتراضات بے بنیاد نظر آتے ہیں جن کا ایک عرصہ سے مسلسل اور منظم پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور خواتین کو اسلامی قوانین و احکام کے نفاذ کی صورت میں بنیادی حقوق سے محرومی کا خوف دلا کر نفاذ اسلام کے خلاف منظم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم انسانی حقوق کے حوالہ سے اسلام کے خلاف مغربی لابیوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے۔

رائے کی آزادی:

آزادی رائے کو انسانی حقوق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ آزادی رائے کا جو معیار اسلام نے قائم کیا ہے، دوسرا کوئی نظام آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خلیفہ وقت کو سر عام ٹوک دینا اور اسے اپنی پوزیشن کی وضاحت کیے بغیر خطبہ میں آگے نہ بڑھنے دینا عوامی احتساب اور آزادی

رائے کی ایک قابل فخر مثال ہے۔ لیکن یہ واقعہ مرد کا ہے، جبکہ تاریخ ایک اور منظر بھی پیش کرتی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بوڑھی خاتون خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سر عام روک کر کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے: "عمر! وہ دن یاد رکھو جب تمہیں عکاظ کے بازار میں صرف عمر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور آج تم امیر المومنین کہلاتے ہو اس لیے خدا سے ڈرتے رہو اور انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بڑھیا کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں اور اپنے عمل کے ساتھ دنیا کو بتا رہے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں مرد کی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ راہ چلتے امیر المومنین کا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے اور انصاف کی طلب گار ہو۔

حق طلبی:

اسلام مرد کی طرح عورت کو بھی یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے جائز حق کے لیے ڈٹ جائے اور اس کے خلاف کسی بڑے سے بڑے دباؤ کی پروانہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد ہونے کے بعد شرعی طور پر یہ حق حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سابقہ خاوند مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اس سے الگ ہو جائے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنا یہ حق استعمال کیا تو مغیث رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی ہے جو بریرہ رضی اللہ عنہا کو دوبارہ میرے ساتھ رہنے پر آمادہ کرے؟ اس کی حالت کو دیکھ کر خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے بات کی اور اسے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے کہا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے صرف یہ پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف مشورہ ہے تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے صاف کہہ دیا کہ یہ مشورہ قبول نہیں کر سکتی۔ چنانچہ بریرہ رضی اللہ عنہا مغیث رضی اللہ عنہ سے الگ رہنے کے فیصلہ پر قائم رہی اور اپنے عمل کے ساتھ اسلام کا یہ اصول دنیا کے سامنے پیش کیا کہ عورت اپنے جائز حق سے از خود دستبردار نہ ہونا چاہیے تو اسے اس کے حق سے کسی صورت میں محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اجتماعی معاملات میں مشاورت:

خلافت راشدہؓ کے دور میں عورت اجتماعی معاملات میں بھی مشاورت کے دائرہ میں شامل رہی ہے۔ بالخصوص ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) کو تو اس دور میں امت مسلمہ کی اجتماعی راہنمائی کا مقام حاصل

تھا۔ اہم امور میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا اور ان سے اجتماعی معاملات میں راہنمائی حاصل کی جاتی تھی حتیٰ کہ ایک موقع پر مدینہ کے عامل امیر مروان بن حکم رحمہ اللہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"جب تک ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) موجود ہیں، ہمیں دوسرے لوگوں سے مسائل دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

اور عورتوں سے متعلقہ امور میں تو مشورہ عورتوں ہی سے کیا جاتا تھا۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ لگایا کہ وہ سمجھدار عورتوں سے مشورہ کر کے بتائیں کہ ایک عورت کتنا عرصہ آسانی کے ساتھ خاوند کے بغیر گزارا کر سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی رائے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کیا کہ ہر فوجی کو چھ ماہ کے بعد کچھ دنوں کے لیے ضرور گھر بھیجا جائے۔

تعلیم اور افتا:

خلافت راشدہؓ کے دور میں خواتین کو علم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کے آزادانہ مواقع میسر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ بیسیوں خواتین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات امت تک پہنچانے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے شاگردوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ وہ نہ صرف احادیث بیان کرتی تھیں بلکہ فتویٰ بھی دیتی تھیں اور ان کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو فتاویٰ منقول ہیں، ان سے ایک بڑا مجموعہ مرتب ہو سکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑے بڑے علماء صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل میں رجوع کرتے تھے اور اپنے اشکالات کا تسلی بخش جواب پاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی علمی معاملات میں رجوع کیا جاتا تھا۔ الغرض علم اور افتا کا میدان بھی خواتین کے لیے کھلا تھا اور اس میں ان کی اہمیت تسلیم کی جاتی تھی۔

معاشی تحفظ:

اسلام نے عورت کے معاشی حقوق اور تحفظات کا جو متوازن نظام پیش کیا ہے، وہ بھی اسلامی صداقت کی دلیلوں میں سے ایک بڑی دلیل ہے۔ یہ شعبہ ایسا ہے جہاں بڑے بڑے نظام افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں، لیکن اسلام نے اعتدال اور توازن کا اصول یہاں بھی پوری طرح قائم رکھا ہے۔

آج "عورت اور مرد کی ہر میدان میں برابری" کے خوشنما نعرے کے ساتھ عورت کو دوہری ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس کی ایک ذمہ داری وہ ہے جو فطری طور پر اسی کے ذمہ ہے اور وہ

اس ذمہ داری سے نہ دست کش ہو سکتی ہے اور نہ اسے کسی اور کو منتقل کر سکتی ہے۔ یہ ذمہ داری بچے کی پیدائش، پرورش اور گھر کے اندرونی نظام کو کنٹرول کرنے کی ہے۔ مرد کچھ بھی کرے، وہ ان میں سے کوئی ذمہ داری نہیں نباہ سکتا۔ یہ تینوں ڈیوٹیاں لا محالہ عورت ہی سنبھالتی ہے۔ لیکن مغرب کا آزادی اور برابری کا فلسفہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کمانے کی ذمہ داری بھی قبول کرے اور مرد کی برابری کرنے کے شوق میں ملازمت بھی اختیار کرے۔ اس طرح مغرب کا مرد عورت کی فطری ذمہ داریوں میں سے کوئی ذمہ داری اپنے سر لیے بغیر اپنی نصف ذمہ داری عورت کے کھاتے میں ڈالنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اسے معاشی آزادی اور برابری کا نام دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر ظلم ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں آبادی کا بہت بڑا حصہ قتل ہو جانے کے بعد دفاتر اور کارخانوں میں افرادی قوت کی کمی ہوئی تو یورپ کے دانش وروں نے عورتوں کے ذریعہ یہ خلا پر کرنا چاہا اور انہیں گھروں سے نکال کر دفاتر اور کارخانوں میں لانے کے لیے معاشی برابری کا خوشنما نعرہ ایجاد کیا۔ ورنہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ سراسر ظلم ہے اور اس ظلم کا نقد نتیجہ یورپی معاشرہ کو مل گیا ہے کہ وہاں خاندانی زندگی کا ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کو کوئی فریب نہیں دیا اور اسے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ چونکہ گھر کے اندر کا نظام عورت کی سپرداری میں ہے اس لیے باہر کی کوئی ڈیوٹی اس کے سپرد کرنا اس پر ظلم ہے۔

اسی لیے عورت کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ لگا دیے گئے ہیں اور ان اخراجات کے سلسلہ میں عورت کو عدالتی تحفظات بھی دیے گئے ہیں تاکہ کوئی مرد اس معاملہ میں عورت کے ساتھ ناانصافی نہ کر سکے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ کمانا اور ملازمت کرنا فرائض میں سے ہے، یہ ایک مشقت کی بات ہے اور اس کا شمار ذمہ داریوں میں ہوتا ہے، لیکن مغرب کے فلسفہ نے اس پر حقوق کا لیبل لگا کر عورتوں کو یہ باور کرانے کی مہم چلا رکھی ہے کہ انہیں ملازمت سے الگ رکھ کر حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے اور بے چاری عورت یہ دیکھے بغیر اس نعرے کے پیچھے لپکی جا رہی ہے کہ حقوق کے نام پر اس کے فرائض کو ڈبل کیا جا رہا ہے۔

اسلام نے فرائض کی ایک فطری تقسیم کر دی ہے کہ گھر کے اندر کی ذمہ داری عورت کی ہے اور باہر کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اور مرد و عورت کی خلقت میں فطرت نے جو طبعی فرق رکھا ہے، اس کو برقرار رکھتے

ہوئے اس کے سوا کوئی تقسیم ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام عورت کے تجارت و ملازمت کرنے پر کلی پابندی لگاتا ہے۔ ہر گز نہیں! بلکہ اسلام عورت کو ایسی ہر ملازمت کی اجازت دیتا ہے جس سے اس کی نسوانی حیثیت متاثر نہ ہو، اس کی خاندانی ذمہ داریوں پر زد نہ پڑے اور اس پر اس کی طاقت و صلاحیت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

الغرض اسلام عورت کو انسانی زندگی کی گاڑی کا برابر کا پہیہ تسلیم کرتا ہے اور اس کو وہ تمام حقوق دیتا ہے جو انسانی معاشرہ میں اپنا فطری کردار ادا کرنے کے لیے اسے درکار ہیں، البتہ فرائض کی تقسیم وہ مرد اور عورت کے طبعی تقاضوں اور فطری ضروریات کو سامنے رکھ کر کرتا ہے اور عورت کو ہر ایسے عمل سے روکتا ہے جو اس کے نسوانی وقار، فطری ذمہ داریوں اور طبعی مناسبت کے منافی ہو۔ مغربی میڈیا کے تمام تر بلند بانگ دعووں اور پراپیگنڈہ کے باوجود اسلام کا یہ اصول حق تلفی نہیں بلکہ عین انصاف ہے جس کے بغیر انسانی معاشرت کو متوازن رکھنا ممکن ہی نہیں ہے۔

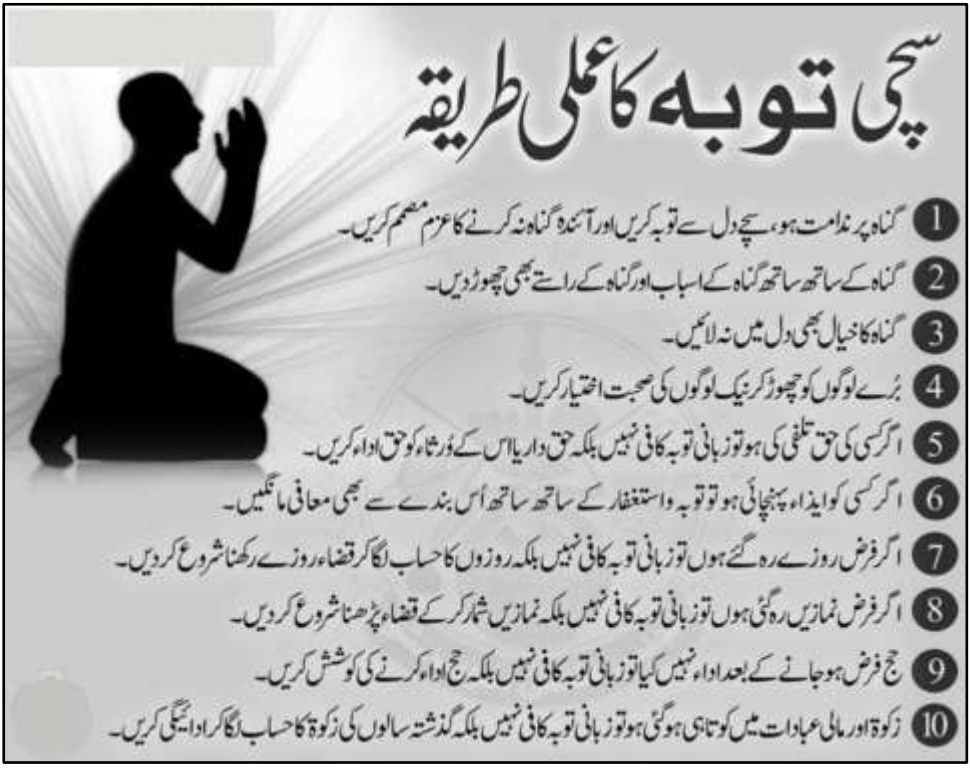

نجوم ھدایت

سخی کا بیٹا

عبداللہ فارانی

وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ان کی شہرت دور دور تک تھی۔ ان کا باپ اپنے وقت کا بہت بڑا سخی تھا۔ اس کی نسبت سے یہ بھی بہت سخی تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ انہیں خبر ملی، اسلامی لشکر ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑتا چلا آرہا ہے اور اب اس کا رخ ان کے قبیلے کی طرف ہے تو یہ بہت پریشان ہوئے، اپنی سرداری ہاتھ سے جاتی نظر آئی۔ اسلام کے بارے میں پہلے ہی سن سن کر پریشان ہوتے رہتے تھے۔ خود عیسائی تھے اور عیسائی مذہب کو حق پر سمجھتے تھے۔ اسلام کے سیلاب کو روکنا انہیں ناممکن محسوس ہوا۔ ان دنوں کی اپنی حالت کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد ہر طرف سے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے مگر مجھے اپنے دین کی صداقت پر پورا یقین تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کی فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔ اب میرے دل میں اپنی حکومت اور دین دونوں کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا۔ اسی زمانے میں ایک دن کسی شخص نے آکر بتایا کہ محمد ﷺ نے میرے بارے میں یہ پیشن گوئی فرمائی ہے کہ کسی دن قبیلہ (طے) کے سردار کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں یہ بات سن کر دہشت زدہ ہو گیا۔ ایک غلام کو حکم دیا کہ ہر وقت سفر کا سامان تیار رکھے اور جونہی اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنے، مجھے اطلاع دے، ایک دن وہ غلام صبح سویرے دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور بولا آقا! محمد (ﷺ) کا لشکر بڑھتا چلا آرہا ہے"۔

گھوڑوں پر زینیں پہلے ہی کسی ہوئی تھیں، سامانِ سفر بالکل تیار تھا، میں نے اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیا اور سیدھا شام کا رخ کیا۔ وہاں میری عیسائی برادری رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر میں نے جوشیہ نامی بستی میں رہائش اختیار کرلی۔ گھر سے اس قدر بدحواسی کے عالم میں روانہ ہوا تھا کہ اپنی بہن کو ساتھ لینے کا خیال نہ رہا اور وہ وہیں رہ گئی۔ پھر جب اسلامی لشکر نے میرے قبیلے پر حملہ کیا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی قیدی بنالیا گیا"۔

یہ صاحب حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ واقعہ ۹ ھ میں پیش آیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پچاس مجاہدین کا ایک دستہ دے کر بنو طے کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو قبیلے کے سردار عدی بن حاتم طائیؒ پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ معمولی سی جنگ کے بعد قبیلے کے لوگوں نے

ہتھیار ڈال دیئے، ان سب کو قیدی بنا کر مدینے لایا گیا، ان میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بنتِ حاتم رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سفانہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے صاحبِ قریش! مجھ بے کس پر رحم کیجئے۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور بھائی مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میرے والد قبیلے کے سردار تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، یتیموں کی مدد کرتے تھے، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے تھے، پروسیوں کے حقوق ادا کرتے تھے، قیدیوں کو رہائی دلواتے تھے، کمزوروں کی مدد کرتے تھے، مظلوموں کا ساتھ دیتے تھے، ظالموں سے لڑتے تھے، میں اس حاتم طائی کی بیٹی ہوں جس کے دروازے سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ آپ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں تاکہ میری وجہ سے عربوں پر کوئی حرف نہ آئے"۔

نبی اکرم ﷺ نے سفانہ رضی اللہ عنہا کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا۔

"اے خاتون! تو نے اپنے والد کی جو صفات بیان کی ہیں، یہ صفات تو مسلمانوں کی ہیں، اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم ان سے اچھا سلوک کرتے"۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اس عورت کو چھوڑ دو، یہ ایک نیک باپ کی بیٹی ہے، کوئی عزت دار ذلیل ہو جائے یا کوئی مال دار محتاج ہو جائے تو اس کے حال پر ترس کھایا کرو"

نبی پاک ﷺ کے ارشاد پر سفانہ رضی اللہ عنہا کو رہا کر دیا گیا، لیکن وہ پھر بھی وہیں کھڑی رہیں۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں! کیا بات ہے؟"

اس پر سفانہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

"اے محمد (ﷺ) میں جس باپ کی بیٹی ہوں، اس کا یہ دستور نہیں تھا کہ قوم مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ خود سکھ کی نیند سو جائے۔ جہاں آپ نے مجھ پر رحم فرمایا ہے، وہاں میرے ساتھیوں پر بھی رحم فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزا دے گا"۔

نبی کریم ﷺ سفانہ رضی اللہ عنہا کی درخواست سن کر خوش ہوئے اور حکم فرمایا:

"سارے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے"۔

پھر آپ ﷺ نے سفانہ رضی اللہ عنہا کے لیے سواری، لباس اور سامان سفر کا انتظام فرمایا اور انہیں ایک قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سفانہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ اس کا بھائی کہاں گیا ہے لہذا وہ سیدھی وہاں پہنچیں۔ بھائی پر نظر پڑتے ہی بہن بول اٹھی:

"تم کیسے بھائی ہو، اپنے بیوی بچوں کو لے کر آئے اور بہن کو چھوڑ آئے"۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بہن کے الفاظ سن کر شرمندہ ہوئے، اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ بہن نے بھائی کی معافی قبول کر لی۔ اس وقت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"صاحب قریش کیسا آدمی ہے؟"

یعنی وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

بہن نے فوراً کہا:

"جس قدر جلد ہو سکے، ان سے مل لو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں پہل کرنا تمہارے لیے بہتر ہو گا، اور اگر بادشاہ ہیں، تو بھی تمہیں ان سے عزت ملے گی"۔

جونہی حضرت عدی بن حاتم نے بہن کے یہ الفاظ سنے، گھوڑے پر سوار ہو گئے اور مدینے کی طرف چل پڑے۔

مدینہ منورہ پہنچے تو بہت سے لوگوں نے انہیں پہچان لیا اور پکار اٹھے۔

"ارے! یہ تو عدی بن حاتم ہے"

کسی نے انہیں کچھ نہ کہا، یہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا۔ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے لیا۔ اسی حالت میں گھر کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں ایک بوڑھی عورت اور پھر ایک نو عمر لڑکے نے آپ کو روک لیا، وہ دیر تک آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی بات ختم کی، تب آپ ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور دل میں کہا۔

"یہ طریقہ کسی دنیاوی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا"

گھر پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کا یہ اخلاق دیکھ کر حضرت عدی کو پختہ یقین ہو گیا کہ یہ دنیاوی بادشاہ نہیں ہیں۔ ایسے میں

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "عدی تم آج تک اسلام سے بھاگتے رہے، حالانکہ یہ دین ہر قدم پر سلامتی کی ضمانت دیتا ہے"

اس کے جواب میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں عیسائی ہوں اور میرا دین بھی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے"

جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارے دین کو میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں"

یہ بات سن کر حضرت عدی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے، بولے:

"آپ میرے دین کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں؟"

فرمایا: "ہاں! کیا تم اپنے قبیلے کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اپنے علاقے کی پیداوار کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟" نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"جی ہاں! میں ایسا کرتا ہوں" عدی رضی اللہ عنہ بولے۔

"تو کیا یہ دین عیسوی میں جائز ہے"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اس بات کا جواب نہ دے سکے۔ کیونکہ اس طرح چوتھا حصہ لینا دین عیسوی میں واقعی ناجائز تھا۔ اب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عدی! تم سوچ رہے ہو، مسلمان غریب قوم ہیں، ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں، یہی سوچ کر تم اسلام قبول نہیں کر رہے، لیکن بہت جلد تم دیکھو گے کہ یہی مسلمان کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر قابض ہو جائیں گے"

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ عجیب ارشاد سن کر بہت حیران ہوئے، کیونکہ اس وقت ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کسریٰ بہت بڑی طاقت کا نام تھا بلکہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑی طاقت کسریٰ کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"کیا کہا آپ نے۔۔۔ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے"

"ہاں! بالکل۔۔۔۔ مال اور دولت کی اس قدر زیادتی ہو گی کہ لوگوں کو دیا جائے اور وہ لینے سے انکار کر دیں گے، کسریٰ کا سفید محل مسلمانوں کے قبضے میں ہو گا اور اے عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے"

عدی نے جواب دیا۔

"میں حیرہ گیا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں سنا ضرور ہے"

اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے عدی! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ وقت آنے والا ہے جب اسلام کی برکت سے ایک پردہ نشین خاتون تنہا حیرہ سے آکر کعبے کا طواف کرے گی اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا"

عدی کہتے ہیں کہ بعد میں، میں نے بالکل یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جب پردہ نشین خاتون نے تنہا حیرہ سے آکر کعبے کا طواف کیا اور پھر اسی طرح اپنے وطن کی طرف لوٹ گئی۔

اس گفتگو کے بعد عدی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ ان کے ایمان لانے پر حد درجے خوش ہوئے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے قبیلے کو اسلام سے نہ پھرنے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے اپنے قبیلے کے ساتھ عراق اور شام کی بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا، آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑتے رہے۔ پھر کسریٰ کے خزانوں پر مسلمانوں کو قبضہ کرتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس وقت انہیں رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی یاد آگئی۔ شام کی کئی لڑائیوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ۶۷ھ میں آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔

سخاوت اور بخشش انہیں باپ کی طرف سے ملی تھی۔ کوئی سائل آپ کے دروازے سے خالی نہیں جاتا تھا۔ لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کچھ دیگیں مانگیں۔ حضرت عدی نے انہیں دیگیں بھر کر بھجوا دیں۔ انہوں نے کہا میں نے تو خالی دیگیں مانگی تھیں، آپ نے بھر کر بھیج دیں، جواب میں کہلا بھیجا:

"خالی دیگ کسی کو دینا میری عادت کے خلاف ہے"

چیونٹیوں تک کے لیے ان کی طرف سے خوراک مقرر تھی، روٹیوں کا چورا کر کے ان کے بلوں میں ڈالا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

معیشت و تجارت

اسلامی معاشی نظام، اہمیت اور طریقہ کار

مولانا مفتی محمد ایاز
رئیس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

پندرہویں صدی کے اختتام پر مسلمانوں کے ہاتھ سے اُندلس نکل گیا جہاں تقریباً ایک ہزار سال مسلمانوں نے بڑے طمطراق کے ساتھ صرف حکومت ہی قائم نہیں کی تھی، بلکہ علوم وفنون میں بھی پوری دنیا کے امام بن گئے تھے۔ عجیب بات ہے کہ جس دن سے مسلمانوں کا سیاسی زوال شروع ہوا، یورپ میں ترقی کی سرسراہٹ اسی دن سے شروع ہوگئی۔ اُندلس کے سقوط کے نتیجے میں مسلمان پوری دنیا میں زوال کی طرف لڑھکنے لگے، اور یورپ میں اسی کے بعد سے ترقی کے آثار پیدا ہوئے، ورنہ اُس وقت تک یورپ جہالت کی تاریک گھٹاؤں اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اُندلس کے سقوط کے تقریباً 100 سال بعد ہی یورپ کو ایک بڑی مادی کامیابی یہ حاصل ہوگئی کہ انہوں نے ایک طرف امریکہ کو دریافت کیا اور دوسری طرف ہندوستان کا بحری راستہ واسکوڈی گاما نے دریافت کر لیا۔ بعض واقعات کے اثرات کئی صدیوں تک چلتے ہیں، یہ بظاہر چھوٹے چھوٹے دو واقعات تھے لیکن ان دو واقعات نے پوری دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ کو بدل ڈالا، اور قوموں میں انقلاب برپا کر دیا۔ یورپ میں صنعتی ترقی کا آغاز ہوا، نئی سائنس اور نئی ٹیکنالوجی تیزی سے بڑھی، جو بڑی حد تک علماء اندلس کی کاوشوں اور ثمرات سے خوشہ چینی کر کے پیدا کی گئی، علماء اندلس کی وہ کتابیں ہم تک کم پہنچی تھیں یورپ نے ان سے استفادہ کیا، اور پھر یورپ میں تیز رفتار تبدیلیاں فکری میدان میں بھی عمل میں آئیں، معاشی میدانوں میں بھی انقلابات رونما ہوئے، اور سیاسی میدان میں بھی تیز رفتار انقلابات آئے۔ انگلستان کا صنعتی انقلاب اپنے ساتھ بے شمار نئے مسائل لے کر آیا اور 18 ویں صدی کے اختتام پر انقلاب فرانس مزید دور رس تبدیلیاں لے کر آیا۔ انگلستان کا صنعتی انقلاب اور فرانس کا سیاسی انقلاب، یہ دو انقلابات ایسے ہیں جنہوں نے پوری دنیا کی زندگی کا رُخ بدلا۔

ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس وقت جس دور سے گزر رہے ہیں، ہمارے لیے اس میں سب سے بڑا چیلنج اسلام کی رو سے دینی اقدار، دینی روایات، عقائد اور اسلامی فقہ کے میدان میں ان مسائل کا حل اور جواب تلاش کرنا ہے جو ان بڑے بڑے انقلابات نے پیدا کیے ہیں۔

خلاصے کے طور پر اتنا عرض کرتا چلوں کہ اور بھی کئی میدان بڑے بڑے کھل گئے ہیں، جن میں مسلمانوں کو اپنی بھرپور صلاحیتیں لگانے کی ضرورت ہے اور یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ یہ اتنے بڑے بڑے میدان ایسے حالات میں کھلے جب مسلمان اپنی تاریخ کے زوال پذیر دور سے گزر رہے تھے۔ ہمارے اسلاف کے زمانے میں، جب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ائمہ مجتہدین کو حالات سے واسطہ پڑا، وہ ہمارا عہد عروج تھا، یونان کا فلسفہ آیا تھا، علماء اس میں مہارت پیدا کر کے اس کے جوابات دیتے تھے، نئی حکومتیں اور نئی فتوحات ہوئی تھیں، فقہی مسائل کے نئے میدان کھلے تھے، ان کا حل کرنے کے لیے نابغۂ روزگار ہستیاں موجود تھیں، فقہا، مجتہدین موجود تھے۔ ابو منصور ماتریدی، فخر الدین رازی اور امام غزالی رحمہم اللہ جیسے اللہ والے مفکرین موجود تھے۔

اب ہوا یوں ہے کہ انقلاب شاید اس سے بھی زیادہ ہمہ گیر ہے، اور مسائل اس سے زیادہ پھیلے ہوئے ہیں، اور اس سے زیادہ پیچیدہ ہیں، لیکن اُمت اپنے زوال کے دور سے گزر رہی ہے۔ علماء میں بھی وہ صلاحیتیں اور جسمانی طاقتیں نہیں ہیں، اُس درجے کا اخلاص و تقویٰ بھی باقی نہیں رہا۔ لیکن اللہ کو یہ دین قائم رکھنا ہے، ان شاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ ہر زمانے میں اُمت کے اندر ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں گی جو ان مسائل کا اسلامی حل اُمت کے سامنے پیش کرتی رہیں گی۔

اس وقت پانچ بڑے بڑے میدان ہیں جن میں کام کی ضرورت ہے۔

(۱) ایک فکری اور فلسفی میدان ہے۔ جب یونانی فلسفہ ترجمہ ہو کر مسلمانوں کے پاس آیا، چونکہ وہ مادی فلسفے اور بے دینی نظریات کو لے کر آیا تھا۔ اس لیے علماء اسلام نے اس فلسفے کو سیکھا اور اس کے طرز استدلال میں مہارت پیدا کی، اور پھر اسی طرز استدلال سے انہی کے ہتھیار کو اس ملحدانہ فلسفے کو توڑنے کے لیے استعمال کیا۔

ہمارے بزرگوں نے یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اسی قسم کا ایک چیلنج آج بھی فلسفے کے رُخ سے آیا ہے، اور اس کے تحت جو فکری گمراہیاں پیدا ہوئی ہیں، ان سب کی جڑ آپ دیکھیں گے کہ مادی فلسفہ ہے۔ یہ وہ میدان ہے جس سے ہمارے عقائد پر حملہ ہو رہا ہے یہ علماء اسلام مسلمان دانشوروں کی ذمہ

داری ہے کہ جدید مغربی فلسفے نے جو نئے سوالات اور نئے شبہات اسلامی عقائد میں پیدا کیے ہیں ان کا جواب دیں، لہٰذا اس فلسفے کو سیکھنا، اس میں مہارت پیدا کرنا اور انہی کے استدلال کے ہتھیار سے ان کے فلسفے کو چکنا چور کر کے اسلامی عقائد اور نظریات کو ثابت کرنا ہے۔۔

(۲) دوسرا میدان معاشی میدان ہے اور یہ انگلستان کے صنعتی انقلاب کے بعد تیزی سے بڑھا ہے، اور اسی معاشی میدان میں دو بڑے نظریات اور دو بڑے بڑے نظام دنیا کے سامنے آئے ہیں جن کو دنیا نے دیکھا اور پرکھا ہے، ایک سرمایہ دارانہ نظام، اور اُس کی ضد سوشلزم نظام۔

دنیا میں اس وقت جو مختلف معاشی نظام رائج ہیں ان میں یہ دو نظام سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) جس کو عربی میں "الرأسمالية" کہتے ہیں، اور دوسرا اشتراکی نظام (Socialism) جس کو عربی میں "الاشتراكية" کہتے ہیں، اسی کی انتہائی صورت اشتمالیت (Communism) ہے جسے عربی میں "الشيوعية" کہا جاتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ کاروبار یا معاملات ہو رہے ہیں وہ انہی دو نظاموں کے ماتحت ہو رہے ہیں، سوویت یونین کے زوال کے بعد اگرچہ سوشلزم ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے تو ختم ہو چکا اور اس کے ساتھ ہی اس نظریئے کی طاقت بھی کمزور پڑ گئی ہے لیکن ایک معاشی نظریہ کے اعتبار سے وہ دنیا کے معاشی نظریات میں اب بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ یہ بتلائیں کہ سرمایہ داری نظام اور سوشلزم کے درمیان اسلام کا محاکمہ کیا ہے؟ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ معاشی نظام کا مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ سمجھا جا رہا ہے۔ اس نے فقہی میدان میں بے شمار سوالات پیدا کیے ہیں، اتنے پیچیدہ اور اتنے مشکل مسائل پیدا کیے ہیں کہ ان کے حل کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

(۳) ایک میدان سیاست کا میدان ہے۔ سیاست میں نئے نئے نظریات سامنے آئے ہیں، نئے انداز حکومت سامنے آئے ہیں، نئے مسائل سامنے آئے ہیں، علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں اسلام کے موقف کو واضح کریں کہ کون سی سیاست، اسلامی سیاست ہے؟ اور کون سی سیاست ملحدانہ اور کافرانہ سیاست ہے؟ اور موجودہ سیاسی نظام جو جمہوریت کے نام پر یا مختلف ناموں پر چل رہے ہیں، ان میں اور اسلام میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟

(۴) ایک میدان طبی میدان ہے۔ طب کے میدان میں نت نئی ایجادات نے انقلاب برپا کیا ہے، اور اس کی وجہ سے بے شمار فقہی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ تمام فقہاء اور اہل فتویٰ کے لیے بلاشبہ وہ اس وقت کا چیلنج ہے۔ نئے نئے سوالات آرہے ہیں کہ فلاں کام جائز ہے یا ناجائز؟ فلاں طریقہ علاج جائز ہے یا ناجائز؟۔

(۵) ایک میدان قانون کا میدان ہے، اور یہ میدان تو ایسا ہے کہ در حقیقت اس میدان کو سب سے پہلے سر کرنے والے مسلمان ہی ہیں۔ قانون کو فقہ کی صورت میں سب سے پہلے جس انداز میں منضبط اور مدون کیا گیا، اس سے پہلے کوئی نظیر تاریخ دنیا میں نہیں ملتی۔ لیکن اس کے بعد قانون ایک مستقل فن اور علم بنا اور یورپ ہی اب اس کا بھی امام بن گیا۔

یہ پانچ بڑے بڑے میدان ہیں۔ ایک جدید فلسفہ کی سمت سے آنے والے مسائل ہیں، دوسرے معاشی راستے سے آنے والے مسائل ہیں، تیسرے سیاست کے راستے سے آنے والے مسائل ہیں۔ چوتھے طب کے راستے سے آنے والے مسائل ہیں۔ پانچویں قانون کے راستے سے آنے والے مسائل ہیں۔ ضرورت ان پانچوں میدانوں میں کام کرنے کی ہے۔

الحمد للہ علماء اسلام اور دانشورانِ ملت ان تمام میدانوں میں کام کر رہے ہیں لیکن جتنی رجالِ کار کی ضرورت ہے جتنا وقت لگانے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے وہ کم ہے۔

الغرض سیاسی اور معاشی نظام ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ ایک سیاسی نظام مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا ہے جب تک کسی ریاست کا معاشی نظام بہتر خطوط پر قائم نہ کیا جائے۔ اسی طرح نہ معاشی نظام نشو نما پا سکتا ہے جب تک سیاسی نظام اس کی حفاظت نہ کر رہا ہو۔ اس لیے معاشی نظام اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ دنیا میں مختلف سیاسی تحریکات نے جنم لیا ہے، ان تحریکات کے ساتھ معاشی نظام ضرور نظر آتا ہے کہ وہ کن خطوط پر معاشی نظام کو قائم کریں گے۔ عوام کی نظر بھی معاشی نظام پر ہوتی ہے کیونکہ معاشی نظام نے ہی عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے معاشی نظاموں سے اسلام کا ہی بتایا ہوا عدل اجتماعی بہتر ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہے، اسی نظام کے نفاذ میں ہی انسانوں کی فلاح مضمر ہے۔

باوجود اس کے اسلام کا ہی عدل اجتماعی بہتر ہے۔ تو پھر مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر کیوں نہیں۔ اس کا سادہ جواب یہی ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر معاشی نظام کی بنیاد ہے ہی نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں معاشی نظام کی بنیاد سرمایہ داری نظام پر اٹھائی گئی

ہے تو غلط نہ ہو گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی مغربی ممالک نے غور و فکر کے ساتھ سرمایہ داری نظام کے بد اثرات سے اپنے عوام کو کسی حد تک بچالیا ہوا ہے جبکہ مسلم ممالک میں سرمایہ داری کے بد اثرات عوام پر پڑ رہے ہیں اور وہ خستہ حالی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلمانوں کی پستی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔

چونکہ سیاسی نظام اور معاشی نظام لازم و ملزوم ہیں جب کسی ملک کا سیاسی نظام غلط بنیادوں پر قائم ہو گا، خاص طور پر جس ملک میں آمرانہ نظام ہو گا، تو وہاں معاشی نظام بھی اپنی بد صورت میں موجود ہو گا۔ وہاں لازمی طور پر معاشرہ دو طبقوں میں بٹا ہو گا۔ ایک طبقہ مراعات یافتہ ہو گا جو ایک آمر کے سائے میں دولت کا بہاؤ اپنی طرف کرے گا۔ دوسرا محروم طبقہ جو نان جویں کا محتاج ہو گا۔ جب کوئی ملک طبقاتی تقسیم میں بٹ جاتا ہے، تو اس کی تباہی دروازے پر دستک دے رہی ہوتی ہے۔ امریکہ کے تھنک ٹینک ایک تو اس بات پر غور و فکر کرتے ہیں کہ مسلم ممالک کو کس طرح طبقاتی تقسیم میں منقسم کیا جائے اور دوم کس طرح اسلامی ممالک کی دولت پر قبضہ جمایا جائے۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کے مخالف مغربی ممالک کس طرح اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب ہیں۔ اکثر مسلم ممالک کے سربراہ امریکہ کے مقرر کردہ ہیں۔ وہ امریکہ کے مفادات ہی کے محافظ ہیں۔ وہ آمر سرمایہ داروں اور جاگیر داروں (ایک مخصوص اشرافیہ) کے تعاون کے ساتھ عوام کا خون چوس رہے ہیں اور ان کو تاریک وادی میں دھکیل رہے ہیں تاکہ وہ یاس کے اس نقطہ پر پہنچ جائیں جہاں قومی موت وارد ہو جاتی ہے۔ دوم نہایت ہی عمدہ منصوبہ بندی سے مسلم ممالک کی دولت (تیل) پر قابض ہو چکے ہیں یہی دولت جو مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے تھی، وہی دولت مغربی ممالک کی خوش حالی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے پہلی بات جو ضروری ہے وہ یہ کہ اپنے ممالک میں شورائیت قائم کریں، سربراہ مملکت عوام کا نمائندہ ہو کسی باہر کی طاقت کا متعین کردہ آمر نہ ہو۔ دوم جاگیر دارانہ نظام کو ختم کیا جائے۔ سوم قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں "العفو" پر عمل ہو تاکہ سرمایہ داری کے بد اثرات سے عوام محفوظ ہو جائیں۔ چہارم نظام زکوٰۃ کو اصلی روح کے ساتھ معاشرہ میں نافذ کیا جائے کیونکہ یہی تقسیم دولت کا بہترین ذریعہ ہے۔ جب تک کوئی ملک معاشی لحاظ سے مضبوط نہیں وہ دفاعی لحاظ سے بھی مضبوط نہیں ہو سکتا اور اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کی ترقی کے لیے یہ لازم ہو گیا ہے کہ دور حاضر کے مسائل اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں پر اپنے معاشی نظام کی عمارت استوار کریں۔

تزکیہ وتربیت

اسلامی تعلیم و تربیت، کیوں اور کیسے؟

ڈاکٹر محمد رضا

تربیت سے محض انسان کے ظاہری اعمال کی اصلاح ہی مراد نہیں بلکہ باطنی اعمال کی اصلاح بھی تربیت کے دائرہ کار میں داخل ہے۔ اس لیے اگر محض انسانی اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال کی اصلاح کر دی جائے لیکن اس کی فکر و نظر اور خواہشات کا دائرہ کار متعین نہ کیا جائے تو اس کو اسلامی نقطہ نظر سے تربیت نہیں کہہ سکتے۔ پس جب بھی نظام تربیت پر غور و فکر ہو گا تو اس سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے اعمال کا صحیح خطوط پر استوار کرنا ہی ہو گا۔

تربیت کے بنیادی ماخذ:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تربیت کے دو بنیادی ماخذ ہیں: (۱) قرآن (۲) سنت و سیرت نبوی ﷺ ذیل میں ہم ان دونوں ماخذ تربیت پر بالترتیب روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآنی اصول تربیت

☆ قرآن پاک کی تعلیمات فطرتِ انسانی کو مد نظر رکھ کر حقیقتاً عقل، وجدان اور شعور کی تربیت کا سامان پیدا کرتی ہیں۔ قرآن پاک قلبِ انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اس میں طہارت و تقویٰ اس حد تک پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا ہر شعوری و لاشعوری عمل صاف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ ایک طرف اس کی تلاوت اگر انسان کو سرور اور روحانی خوشی دیتی ہے تو دوسری طرف وہ اس کے شعور کو تازگی اور فکر کو جلا بخشتی ہے۔

۲۔ نبوی اصولِ تربیت

نبی اکرم ﷺ نے اپنے تلامذہ اور صحابہ کرامؓ کی ایسی حکیمانہ انداز سے تربیت فرمائی کہ ان میں سے ہر شخص مربی و معلم بن گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت، اگر ان کو تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔" [مستدرک للحاکم ص:271، ج:1]

آپ ﷺ ہر انسان کی، اس کی عقل اور سمجھ بوجھ کے مطابق تربیت فرمایا کرتے اور اس بات کی بھی کوشش فرماتے کہ لوگوں کی انفرادی و اجتماعی لحاظ سے روحانی، اخلاقی، فکری، جسمانی الغرض ہر لحاظ سے تربیت کریں۔

ضرورتِ تربیت:

یہ حقیقت ہے کہ تربیت انسانی ایک بہت ہی کٹھن اور مشکل کام ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کسی ایسی اعلیٰ شخصیت کا نمونہ سامنے لایا جائے کہ جس کو بنیاد بنا کر کردار سازی کی کوشش کی جائے۔ ایک مسلمان کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے اگر کوئی ہستی نمونہ کامل ہو سکتی ہے تو وہ محض نبی کریم ﷺ کی ذات ہے، جن کا اخلاق قرآن ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا: ”فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے۔“[الاحزاب:12]

محض تعلیم سے تربیت ممکن نہیں، تعلیم سے صرف علم اور معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جب تک صالح اور کامل رہنما صحبت کے ذریعے روحانی و فکری تربیت نہ ہو تو اس وقت تک علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عمل صالح کے داخل ہونے کا راستہ علم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہے۔ تربیت عمل صالح پیدا کرتی ہے جس سے ذوق و شوق جنم لیتا ہے اور عمل صالح اس علم کو فائدہ مند علم بناتا ہے۔ کوئی شخص علم کا پہاڑ ہو لیکن اگر اس کے پاس تربیت کی روشنی میں عمل صالح نہ ہو تو محض علم کی کثرت اس کے لیے نجات کا باعث نہ ہو گی۔ پس صالح تربیت سے ہی تزکیہ نفس کا رجحان اور میلان پیدا ہوتا ہے اور بالآخر تزکیہ نفس سے انسان رشک ملائک بنتا ہے۔

عوامل تربیت:

آیئے اُن عوامل کا جائزہ لیں جو انسان کے اخلاق، اعمال اور احوال کی اصلاح و تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ا۔ عبادت:

تربیت و اصلاح میں اہم کردار عبادت کا ہے۔ اگر انسان اپنی، اپنے بچوں یا دیگر افراد کی تربیت اسلامی طریقے سے کرنے کا خواہاں ہے تو اسے دعا اور عبادات کو بہت اہمیت دینی چاہئے۔ اسی لیے بزرگان دین

تربیت میں عبادت کی اہمیت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ: ”تمہاری جتنی بھی زیادہ مصروفیت ہو مگر رات میں کچھ لمحات عبادت کے لیے مخصوص کرو۔“ عبادت میں گزارے گئے یہ لمحات اس کی اپنی ذات و شخصیت کی اصلاح و تربیت کے لیے ضروری ہیں۔

۲۔ محبت:

اصلاح احوال اور سیرت و کردار سازی میں محبت، احسان اور نرمی کا کردار نمایاں ہے۔ محبت کا اثر احسان اور نرمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب کہ نفرت کا اثر سختی اور دشمنی پر منتج ہوتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے تربیت، محبت کے بغیر ممکن نہیں کیوں کہ اسی صورت میں تربیت حاصل کرنے والا (شاگرد و مرید) اپنے آپ کو مربی کے قریب محسوس کرتا ہے اور اس کے اقوال و اعمال کی روشنی میں اپنی شخصیت کو مکمل کرنے کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔

۳۔ مراقبہ اور محاسبہ:

تربیت کے عاملین میں سے تیسرا اہم عامل ”مراقبہ و محاسبہ“ ہے۔ جب تک کسی انسان کو خلوت و تنہائی میں اپنی ذات و شخصیت میں موجود خامیوں پر غور و فکر کا موقع نہ ملے اس وقت تک اصلاح احوال اور تربیت اعمال و افکار کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

”اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ اُن کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔“ [الحشر 18]

اس آیت مبارکہ میں مراقبہ اور محاسبہ کو واضح کیا گیا ہے۔ سیدنا علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جس نے شب و روز میں ایک دفعہ اپنا حساب کتاب نہ کیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ [کافی، ج ۲، ص ۳۵۴]

تربیت کے مختلف پہلو:

تربیت کا عمل انسانی شخصیت کے ہر پہلو پر محیط ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ علمی و ذہنی تربیت تو ہو رہی ہو مگر اخلاقی و روحانی معاشرتی تربیت کی طرف دھیان ہی نہ ہو۔ پس تربیت کس طرح انسانی شخصیت کا احاطہ کرے؟ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

ا۔ اخلاقی تربیت:

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"اور آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہتر ہوں"۔[بنی اسرائیل:35]

اخلاق و کردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں، اگر قوم اخلاق سے محروم ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تعمیر و ترقی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"۔[صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبیؐ]

جنگ عظیم دوئم میں جب فرانس کو شکست ہوئی تو اس کے صدر نے کہا کہ "ہم اس لیے ہارے ہیں کہ ہمارا نوجوان کردار کھو چکا ہے۔"

اخلاق و کردار کو مزین کرنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا ہوتا ہے۔ اس عمر میں جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ کردار بھی نشوونما پاتا ہے۔ بعض والدین اخلاقی تربیت سے اس لیے صرفِ نظر کر جاتے ہیں کہ بچہ خود سیکھ لے گا، حالانکہ اخلاقی تربیت سے پہلو تہی کرنے سے جو مہلک نتائج بر آمد ہوتے ہیں، ان کا اندازہ ایسے بچوں سے لگایا جاسکتا ہے جو اخلاقی تربیت سے محروم ہیں۔

ایک ڈاکو کو ڈاکا زنی کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ مقتل کی طرف روانگی سے پہلے اس نے درخواست کی کہ مجھے والدہ سے ملنے دیا جائے، چناں چہ ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ ماں جب جم غفیر سے روتی ہوئی اپنے بیٹے سے آخری ملاقات کے لیے آگے بڑھی تو بیٹا بھی بڑے تپاک سے ماں سے لپٹ گیا اور اس کا کان کاٹ لیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ اسی ماں کی بدولت آج مجھے پھانسی پر چڑھایا جارہا ہے کیونکہ جب میں بچہ تھا تو پڑوسی کے گھر سے سیب چرا کر لایا تھا اور اس نے وہ سیب خوشی خوشی رکھ لیا تھا، پس یہیں سے مجھے چوری کی عادت پڑ گئی۔

ا۔ اس کے برعکس شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تربیت بھی ملاحظہ فرمائیں، جنہوں نے ڈاکوؤں کو اپنی صدری میں چھپی ہوئی اشرفیاں بتادیں۔ ڈاکوئوں نے جب پوچھا کہ "یہ اشرفیاں تو اس لیے چھپائی گئی تھیں کہ چور یا ڈاکو انہیں پانہ سکے۔ آخر تم نے ہمیں صاف صاف کیوں بتادیا؟ تم چاہتے تو جھوٹ بول کر انہیں بچاسکتے تھے"۔ آپؒ نے جواب دیا: "سفر پر روانہ ہوتے وقت میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا چاہے کچھ بھی ہو جائے جھوٹ مت بولنا۔" آپؒ کی اس بات کا ڈاکوؤں پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے جرم سے توبہ کرلی کہ یہ بچہ اپنی ماں کے احکامات پر عمل پیرا ہے اور ہم رب کائنات کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ انہوں نے لوٹا ہوا سارا مال واپس کیا اور نیکی کی راہ اختیار کرلی۔ یہ ماحول اور تربیت کا اثر ہی ہے جو کسی کو ڈاکو اور چور بنادیتا ہے اور کسی کو سیرت و کردار کا پیکر بنا کر وقت کا امام بنادیتا ہے۔ اگر بچپن سے بچے کی عادات و اطوار کو درست سمت میں ڈھالا جائے تو اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۲۔ معاشرتی تربیت:

ایک سال کی عمر سے لے کر بلوغت تک وہ قیمتی دور ہے جس میں بچے کی معاشرتی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ سماجی سرگرمیوں میں صحیح طور پر حصہ لے سکے۔ اس عمر میں معاشرتی خوبیاں یا معاشرتی نقائص نشوونما پاتے ہیں۔ اس لیے کوشش کرنی چاہئے کہ ذاتی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی دلچسپیوں کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ اس عمر میں بچوں کی معاشرتی تربیت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کو خاص طور پر مدنظر رکھا جائے۔

☆ اس عمر میں بچہ اپنے آپ کو بہت اہم سمجھنے لگتا ہے، اس میں خود غرضی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے بچوں کو دوسروں کے ساتھ رہنے، کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے وافر مواقع فراہم کیے جائیں اور دوسروں کے حقوق کی اہمیت بھی بتائی جائے۔

☆ والدین اور گھر کے افراد اپنے بچوں کی معاشرتی تربیت پر اپنے کردار کے ذریعے دوررس اثرات ڈال سکتے ہیں۔ بچہ ہر چیز میں فطرتاً دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ آپ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا بچہ سچ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا والدین اور گھر کے دیگر احباب اپنے اچھے کردار سے بچے کو متاثر کریں۔

☆ گھر کے ماحول کو نہایت صاف ستھرا اور خوش گوار رکھیے۔ میاں بیوی کی باہمی رنجش اور ساس بہو کے جھگڑے سے بچے کی اجتماعی زندگی پر نہایت منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

☆ بچوں کی معاشرتی تربیت میں جہاں سنجیدہ کوشش کا بڑا مقام ہے وہاں بڑی آسانی سے بعض خامیوں کو ہنسی، مزاح، شگفتہ کلامی اور بعض طفلانہ طریقوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ محض خشک وعظ و نصیحت بچے پر زیادہ اچھا اثر نہیں ڈالتی۔

☆ بچے کی معاشرتی تربیت میں کھیلوں کا اہم کردار ہے۔ تفریحی کیمپوں، کھیلوں کے مقابلے اور اسکائوٹنگ سے وابستہ ہو کر بچے دوسروں کو سمجھنے اور معاشرتی ذمہ داریاں نبھانے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ بچوں کو کامیاب زندگی کے اصول بتائیے۔ ملاقات، چلنے پھرنے اور مجلس کے آداب سکھائیں نیز بچوں میں خوش اخلاقی، فرمان برداری، انکساری اور عفو درگزر کے جذبات پروان چڑھا کر کامیاب اجتماعی زندگی گزارنے کا عادی بنائیے۔

۳۔ ذہنی تربیت

ذہنی تربیت کے سلسلے میں اختصار سے چند باتیں سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

☆ بچہ جب اپنا ذہن استعمال کر رہا ہو تو اس کو نہ چھیڑیئے۔ مثال کے طور پر بچے نے دیکھا کہ اس کی امی نے دو تین رنگ ملا کر اپنا دوپٹہ رنگا ہے۔ اب بچہ جب پڑیاں کھول کر پانی میں دو تین رنگ ملاتا ہے تو آپ اس پر برس نہ پڑیں، اس لیے کہ وہ جان بوجھ کر نقصان نہیں کر رہا بلکہ اس کا ذہن بھی وہی تجربہ کرنا چاہتا ہے جو اس نے اپنے گھر میں ہوتا دیکھا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر تھوڑے بہت مالی نقصانات کو نظر انداز کر دیجئے اور بچے کی ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے دیجیے۔

☆ بچوں کو کبھی بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے اور نہ ہی دوسروں کے سامنے جھڑکنا چاہئے۔ ان کی تربیت کے لیے اصول تدریج و ترتیب کو مدنظر رکھیے۔

☆ بچوں کی عمر و استعداد کا خیال رکھتے ہوئے انہیں پاکیزہ رسائل اور تعمیری لٹریچر فراہم کیجئے۔

۴۔ حسی تربیت

ہر انسان میں محسوس کرنے کی مندرجہ ذیل پانچ قوتیں ودیعت کی گئی ہیں، جنہیں حواس خمسہ کہتے ہیں۔ ان میں دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا شامل ہے۔

بچے میں یہ سب حواس پائے جاتے ہیں۔ وہ لال، پیلا، نیلا اور دیگر رنگ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بچے کو ان احساسات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھایئے اور انہیں اپنے احساسات کے اظہار کے مواقع فراہم کیجئے۔ اگر بچہ کوئی گندی چیز ہاتھ میں لے تو آپ محبت سے اس کے ہاتھ سے لے لیں اور اس کی جگہ کوئی اچھی چیز دے دیں۔ ہر وہ چیز خواہ اچھی ہے یا بری بچے سے جھڑک کر نہ لیجئے کیوں کہ وہ چیز جتنی بھی قیمتی ہو بچے کے احساسات سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ بچے کو اطمینان حاصل کر لینے دیجئے کہ جو چیز اس نے حاصل کی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

جذباتی و جبلی تربیت:

بچپن میں جذبات کی اگر صحیح تربیت ہو جائے اور بچے کی جبلتوں کو صحیح راہ نمائی مل جائے تو بچے میں بہترین کردار پروان چڑھتے ہیں۔ اگر بچے کی جبلتوں کو نہ سمجھا جائے، اس کے جذبات کا پاس ولحاظ نہ رکھا جائے تو بچے کی سیرت میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسا بچہ بڑا ہو کر بگڑا ہوا انسان بن جاتا ہے۔

جذباتی و جبلی تربیت کے لیے خوش گوار ماحول فراہم کیجیے۔ اچھے ہم جولی، بہترین تعلیم گاہ، کھیل اور تفریح کا سامان، متعلقین کا شفقت بھرا برتاؤ بچوں کی بہتر نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ کبھی کبھی بچے کو اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ہاں اپنے ہمراہ لے جایئے، گھر مدرسہ اور قرب وجوار کے ماحول کو صاف رکھیے، سامان نہایت سلیقے سے ترتیب دیجیے، بات چیت میں شائستگی، باہمی تعلقات اور خوش گواری کا اہتمام کیجیے۔

﴿آپ کی ترجیح۔۔۔؟﴾

ہمیشہ آپ کے پاس وقت ہوتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ کون سا کام آپ کی ترجیح میں شامل ہے۔

مقالات و مضامین

کامیابی سوالیہ نشان کیوں۔۔۔؟

محمد ندیم
متعلم جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد

سناٹا چھایا ہوا ہے انتہائی خاموشی ہے، کسی کمرے میں اکیلا شخص درد سے بھرا دل اور دماغ میں تعمیری فکر لیے ہوئے سوچتا ہے کیسے اپنے دردمندانہ خیالات اور اپنی تعمیری سوچ و فکر کو لوگوں کے ساتھ شیئر کیا جائے، اچانک قلم اٹھاتا ہے، لکھنے کی جستجو کرتا ہے لیکن ہر بار سوالیہ نشان ہی جستجو کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ سوالیہ نشان خود ہی جستجو کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، سوالیہ نشان مع اپنے تمام محرکات کے لکھنے والے کے دماغ پر دستک دیتا ہے، ٹک ٹک ٹک، کون ہے، جواب ملتا ہے سوالیہ نشان ہوں، کیوں آئے ہو، تمہیں اپنے اظہار مافی الضمیر سے روکنے کے لیے۔ بالآخر بغیر سوچے سمجھے جہاں سے قلم اٹھایا تھا وہیں پر رکھ کر اپنی فطری صلاحیتوں کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔ چلئے اس سوالیہ نشان کے پیچھے کونسے محرکات کارفرما ہیں اُن کو جان کر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہر بار ہر کام کا نتیجہ سوالیہ نشان نہ بنے۔ جب کبھی آپ اپنا تجربہ، اپنا مشورہ، اپنی سوچ قلم کے ذریعے کسی سے شئیر کرنا چاہیں گے تو ہمیشہ کے لیے تین بنیادی سوالات آپ کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ پہلا سوال (۱) کیا لکھوں، دوسرا سوال (۲) کیسے لکھوں، تیسرا سوال (۳) کس کے لیے لکھوں۔ لکھنے والا سوچتا ہے کہ اِن سوالات کے جوابات دیئے بغیر وہ کبھی سفید کاغذ کو سیاہ نہیں کر پائے گا جبکہ ان تمام سوالات کے جوابات دینے کے لیے قلم کو کاغذ پر رکھنے کی دیر ہے الفاظ خود بخود قلم سے نکلتے اور جملے بنتے جائیں گے یہاں تک کہ آپ اپنی مدعا کو دل کھول کر بیان کر چکے ہوں گے۔

کیا لکھوں، لکھنے کے لیے عنوان کا معیاری ہونا ضروری ہے، ذہن میں مختلف قسم کے عنوانات آتے اور جاتے رہتے ہیں، تمام عنوانات ضروری نظر آنے لگتے ہیں ابھی تک قلم کی نوک کاغذ پر رکھی نہیں کہ تمام پر لکھنے کو جی چاہتا ہے، انتخاب کرنا مشکل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ یہی ہے وہ پہلا محرک جو آپ کو لکھنے سے روک رہا ہے چلئے اس کو کچل دیتے ہیں۔ دیکھئے ابتدائی مراحل میں جب آپ لکھنا شروع کرتے ہیں تو اِس وقت عنوان کے معیار اور انتخاب کے بارے میں ہرگز نہ سوچیں، ابھی آپ کے لیے کسی خاص مضمون کا انتخاب ضروری نہیں اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو کچھ بھی لکھیں مثلاً: آپ نے آج کا دن کیسے گزارا، تو قلم اٹھایئے اور لکھیں کہ میں صبح سویرے اٹھا، نماز پڑھی، قرآن کی تلاوت کی، والدین

کو سلام کیا، ناشتہ کیا وغیرہ، اور اسی طرح دن بھر کے تمام معمولات کو ذکر کیجئے اس کے علاوہ اگر کوئی اہم واقعہ دن بھر میں پیش آیا ہو اُسے زیب قرطاس کیجئے اور آخر میں مضمون کا عنوان رکھیں "میرا آج کا دن یوں گزرا"۔ اگر دن بھر کے معمولات کو لکھنا آپ کے لیے دشوار ہے تو آپ نے کسی بھی شخص سے کس بھی عنوان پر دن کے کسی بھی وقت بات چیت کی ہو گی مثلاً: وقت کی قدر کے عنوان پر، امتحانات اور اس کے نتائج کے عنوان پر، کرپشن کے عنوان پر، تبدیلی کے عنوان پر، کامیابی کے عنوان پر، انسانی حقوق کے عنوان پر، حقوق نسواں کے عنوان پر، الغرض کسی بھی عنوان پر آپ نے مکالمہ کیا ہو گا اسے الفاظ کی شکل دیجئے یا اگر آپ کے پاس مفید مشورے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ کسی خاص طبقے کے ساتھ اسے شئیر کریں تو انہیں مشوروں کو لکھ دیجئے۔ لیجئے آپ کا پہلا سوال حل ہو گیا۔

پہلے مرحلے کے بعد "کیسے لکھوں، مجھے تو ادبی اردو نہیں آتی، محاورے نہیں آتے، تشبیہات و استعارات کو استعمال کرنا میرے بس کی بات نہیں" جیسے سوالات آپ کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے۔ اظہار مافی الضمیر کے لیے آپ کے الفاظ جتنے آسان اور سادہ ہونگے، جتنا آپ کی لکھائی محاوروں، تشبیہات واستعارات سے پاک ہو گی، جتنا آپ تکلف سے اجتناب کریں گے اتنا ہی آپ اپنی تعمیری سوچ و فکر، اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب ہوں گے اور یہی آپ کا مقصد ہے۔ لیجئے آپ مضمون نویس ہو گئے آپ کو مضمون لکھنا آگیا ابھی آپ سب کچھ لکھ سکتے ہیں۔

آخری سوال کس کے لیے لکھو گے۔ سب سے پہلے اپنے Face book Profile پر اپنا مضمون Post کیجئے، مضمون Comments اور Likes دیکھیں اس کے بعد اخبارات کو ارسال کیجئے اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں ہو گی تو "ضرب مومن" کو ارسال کیجئے وہ آپ کا مضمون ضرور پر کھیں گے، پر کھنے کے بعد اسے ہفت وار ضرب مومن میں شائع کریں گے۔ مزید برآں ہمیں ارسال کیجئے یا By Hand حوالہ کیجئے، ہم آپ کا مضمون پڑھیں گے، اگر مجلّہ کے معیار کے مطابق ہوا تو جس مجلّہ میں ابھی آپ دیگر مضامین پڑھ رہے ہیں بس تھوڑی سی کوشش کے بعد اسی مجلّہ و رسالے میں ہزاروں لوگ آپ کا لکھا ہوا مضمون پڑھیں گے اور اگر مجلّہ کے معیار کے مطابق نہ ہوا تو قطعاً پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے نیز مفید مشورے دیں گے اور لکھنے کے حوالے سے مطالعہ کرنے کے لیے کتب بتائیں گے جس کے نتیجے میں آپ مزید لکھیں گے دیکھتے ہی دیکھتے آپ ایک بہترین لکھاری بن جائیں گے۔

گوشہ خواتین

آپ ہی آگے بڑھیں۔۔۔!

انور غازی

طلوعِ اسلام کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا کسی یہودی سے بحث مباحثہ ہو گیا۔ بات چیت مختلف موضوعات سے ہوتی ہوئی رہن سہن اور طور طریقوں تک جا پہنچی۔ ایک دوسرے کے طرزِ زندگی اور بود و باش پر بات نے طوالت اختیار کی اور یہود کے طرزِ زندگی پر صحابی کی جانب سے جامع اعتراضات ہوئے تو یہودی سے کچھ نہ بن پڑا۔ یہودی نے غصے میں کہا: "تمہارے نبی کیسے ہیں جو تمہیں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ بھلا یہ چیزیں بھی سکھانے اور بتانے کی ہیں؟" اس پر مسلمان نے فخر سے جواب دیا: "ہاں! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر چیز کا طریقہ اور سلیقہ بتاتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ استنجا کیسے کیا جائے؟ کیسے بیٹھا جائے؟ کون سے ہاتھ سے طہارت کی جائے؟ قبلہ رُخ ہو کر پیشاب، پاخانہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس بات سے بھی روکا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔ گوبر، ہڈی، کاغذ اور کھانے پینے کی اشیا کے ساتھ طہارت سے روکا ہے۔"

درج بالا جس حدیث کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، وہ حدیث صحاحِ ستہ میں سے صحیح مسلم شریف کی جلد اول کے صفحہ نمبر 163 پر موجود ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف کی جلد اول کے صفحہ نمبر 17 پر بھی ہے۔ حدیث پاک کا متن کچھ یوں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ، قِيْلَ لَهُ: قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ، فَقَالَ: أَجَلْ۔ لَقَدْ نَهَانَا اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔

ترجمہ: "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے کسی نے کہا: "تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بھی؟"

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "جی ہاں! بالکل، انہوں نے ہمیں اور بھی بہت ساری چیزیں سکھائی ہیں۔ ہمیں قبلہ رُخ ہو کر بول و براز سے منع کیا ہے۔ اس بات سے بھی روکا ہے کہ ہم دائیں ہاتھ سے یا تین

عدد سے کم پتھروں کے ساتھ استنجا کریں۔ یہ بھی انہوں نے سکھایا ہے کہ ہم گوبر یا ہڈی کے ساتھ طہارت کریں۔"

قصہ مختصر یہ کہ مسلمان نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ ہمارے نبی ﷺ نے زندگی گزارنے سے متعلق ہمیں تمام باتیں، رہن سہن کے طور طریقے، بات چیت کے آداب، خرید و فروخت کے احکام، لین دین اور معاملات طے کرنے کے جملہ اصول بتائے ہیں۔ ہماری اپنی تہذیب و ثقافت ہے۔ کون سا شعبہ ہے جس کے متعلق ہمیں شریعت سے رہنمائی فراہم نہیں کی گئی؟ اس کا مطلب ہے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں پیدائش سے موت تک، شادی بیاہ سے غمی خوشی تک، بچپن سے لڑکپن تک، نوجوانی سے بڑھاپے تک، نجی معاملات سے سرکاری کاموں تک، عائلی و خانگی زندگی سے لین دین کے معاملات تک، کھیتی باڑی سے تجارت و صنعت تک، بچوں کی تربیت سے بزرگوں کے حقوق تک، ملکی سیاست سے عالمی تعلقات تک، اپنوں کی دوستی کے احکام سے یہود و ہنود، مشرکین، نصاریٰ اور دیگر قوموں اور مذاہب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے تک سب کچھ موجود ہے۔ دینِ اسلام واحد مذہب ہے جس میں اتنی تفصیل اور تنوع کے ساتھ احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے دین میں زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق کافی شافی رہنمائی موجود ہے۔

وہ تمام تفصیلات آج بھی موجود ہیں، لیکن بدقسمتی سے عملدرآمد کم ہو گیا ہے۔ جبکہ خیر القرون میں ان سنہری اصولوں پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس کے بعد بھی ایک وقت تک زندگی کے ہر ہر شعبے میں دینِ اسلام کے احکام پر سختی سے عمل کیا جاتا رہا، جس کا نتیجہ یہ نکلا مسلمان تیزی سے ہر شعبے میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ پوری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انسان تو انسان، ذمہ داریوں میں جانوروں کے حقوق تک گنوائے گئے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی پیاسا مر جاتا ہے تو اس کا ذمہ دار بھی میں ہوں۔" عمر بن عبد العزیزؒ کے دورِ حکومت ہر شخص خوشحال تھا۔ تلاش کرنے سے بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جس کو صدقات دیے جا سکتے ہوں۔ اسلام کے زرّیں اصولوں کو پلے باندھ کر اور عدل و انصاف کا جھنڈا تھام کر مسلمان جس طرف کا بھی رُخ کرتے، فتح و کامیابی ہی ان کے قدم چومتی۔

دیگر ادیان اور مذاہب کے مقابلے میں دین اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بچوں کی تعلیم و تربیت، عقد و نکاح، شادی بیاہ، غمی و خوشی، جنگ و جدال، امن و صلح، معیشت و تجارت کے اصول عملی طور پر موجود ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کی اپنی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ پھر اپنوں اور غیروں سے کس طرح سلوک کرنا ہے؟ خواتین کے کیا حقوق ہیں؟ خادموں اور ملازموں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا ہے؟ پڑوسیوں اور ہمسائے ممالک اور قوم کے ساتھ کس طرح رہنا ہے؟ ایک ساتھ کام کرنے والوں کے کیا حقوق ہیں؟ بیماروں کی تیمارداری کس طرح کی جائے؟ تحقیق و تفتیش کا نظام کیا ہونا چاہیے؟ علم و ادب کے حصول کے کیا آداب ہیں؟ دنیا میں تعمیر و ترقی کے لیے کیا کیا اقدامات کن طریقوں سے کیے جائیں؟ یہ سب کچھ اسلام میں موجود ہے۔

لیکن ہماری بے عملی کی وجہ سے آج ہم ہر شعبہ زندگی میں مشکلات کا شکار ہیں۔ ہمارا خاندانی نظام تک خطرے میں ہے۔ آپ سیاسی نظام سے لے کر گھریلو نظام تک کاربار یک بینی سے جائزہ لے لیجئے۔ صوبوں، ضلعوں، تحصیلوں، شہروں، محلوں، دیہاتوں، خاندانوں، گھرانوں حتیٰ کہ میاں بیوی تک میں اختلافات ہیں۔ ایک دوسرے پر عدم اعتماد ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل پر لڑائی جھگڑے ہیں۔ والدین اور اولاد میں اتفاق و اتحاد نہیں ہے۔ رشتہ دار ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بچوں کو اسلامی نہج کے مطابق تعلیم نہیں دی جارہی اور ہونہاروں کی شریعت کے مطابق تربیت نہیں ہو پارہی۔ اصل اصلاح فرد کی ہوتی ہے۔ فرد کی اصلاح سے گھر کی اصلاح ہوتی ہے۔ گھر سے خاندان، خاندان سے قبیلہ، قبیلے سے گاؤں، گاؤں سے محلہ، محلے سے شہر، شہر سے تحصیل، تحصیل سے ضلع، ضلع سے ڈویژن، ڈویژن سے صوبہ اور صوبوں سے ملک اور پھر پورا معاشرہ بہتر ہو جاتا ہے۔ گویا اصل مسئلہ اور فساد کی جڑ شخص کی عدم تربیت اور عدم اصلاح ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بچوں کی بہترین تربیت کی جائے۔

ہر دور میں بچوں کی تربیت اور فرد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے، لیکن آج ہم ملکوں اور قوموں کو تو سدھارنے کے درپے ہیں، مگر ہونہاروں کی تعلیم و تربیت اور شخصی اصلاح کی طرف رتی بھر توجہ نہیں دیتے۔ ہر سطح پر کوشش کی جارہی ہے کہ ملک اور قوم یک دم سدھر جائیں۔ یکدم پورے ملک سے کرپشن، بدعنوانی، خیانت، جھوٹ، دھوکا، فراڈ، ملاوٹ، چوری، حرام خوری اور بدکاری جیسے ناسوروں اور غیبت، حسد، بغض اور حبِ مال و جاہ جیسے رذائل کا خاتمہ ہو جائے جو کہ مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے، مگر

اس طرف کم توجہ دی جاتی ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کو سدھار کے راستے پر کس طرح گامزن کریں کہ نوجوانوں کی ایک بہترین کھیپ ہمیں میسر آجائے۔ اس لیے یہ ایک اہم بات ہے کہ بچوں، بچیوں اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور فرد و شخص کی اصلاح پر انفرادی توجہ دی جائے۔ یہ بات یاد رکھیں آج کل جس طرح کا معاشرہ تشکیل دیا جارہا ہے اس میں آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو آگ کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ اس میں آپ ہی کا فرض بنتا ہے کہ آپ آگے بڑھیں اور اپنا کردار ادا کریں۔ اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو آگ سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔
ترجمہ: ”جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا“۔

﴿ہر فرض نماز کے بعد پڑھنی جانے والی دعا﴾

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِکَ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْاَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ۔

[ترمذی، حاکم]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اچھے کام کرنے، برے کام چھوڑنے اور مساکین سے محبت کا سوالی ہوں اور یہ کہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور جب تو اپنے بندوں پر کسی آزمائش کا ارادہ کرے تو بغیر کسی آزمائش کے مجھے اپنے پاس بلالے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا بھی جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور ہر ایسے عمل سے محبت کا خواستگار ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔“

دارالافتاء

دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ایاز
رئیس دارالافتاء جامعہ تبلیغ القرآن
مولانا مفتی محمد حسین
نائب مفتی دارالافتاء جامعہ تبلیغ القرآن

﴿حکومت سے چُھپ کر حج کرنا﴾

سوال: اگر کوئی شخص سعودی عرب میں ویزہ پر مقیم ہو جبکہ ویزہ کی مدت ختم ہو چکی ہو اور وہ حکومت سے چوری چھپے حج کے لیے ٹھہر کر حج ادا کرے تو فریضۂ حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ حج کچھ افعال مخصوصہ کا نام ہے وہ افعال کرنے سے حج ادا ہو جائیگا۔ صورت مسئولہ میں ایسا کرنے سے حج کی ادائیگی تو ہو جائے گی، تاہم حکومتی قوانین کی پاسداری نہ کرنے کی وجہ سے یہ شخص موجب گناہ ہو گا۔

﴿دوتولہ سونا اور کچھ نقدی پر قربانی﴾

سوال: اگر کسی عورت کے پاس دو تولہ سونا اور پانچ سو نقدی ہیں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب: موجودہ حالات میں جہاں چاندی کی قیمت گرِ گئی ہے وہاں سونے کی قیمت آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے۔ لہذا اگر امام صاحب کے مفتٰی بہ قول پر فتویٰ دیا جائے تو معاشرے کے بہت سے نادار لوگوں کے لیے مشکل بن جائے گی۔ لہذا صاحبین کے قول پر فتویٰ دفع مضرت کے لیے دیا جاسکتا ہے جو کہ ضم بالاجزاء ہے۔ اس قول کے مطابق ایسی صورت میں اس عورت پر قربانی واجب نہیں۔

ثم اختلف اصحابنا فی کیفیۃ الضم، فقال ابو حنیفۃ: یضم أحدھما الی الأخر باعتبار القیمۃ و قال ابو یوسف و محمد: یضم بالاعتبار الأجزاء، وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ ایضا۔

[بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۴۱۲]

﴿نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی اور اس کا گوشت استعمال کرنا﴾

سوال: ایک صاحب استطاعت شخص اگر اپنی قربانی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرے تو یہ عمل کیسا ہے اور اس کا گوشت استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اپنی واجب قربانی کے علاوہ قربانی کرنا اور اس کا ثواب نبی کریم ﷺ کو بخشنا مستحسن ہے۔ اس شخص کو چاہیے کہ اپنی قربانی کرے اور ثواب نبی کریم ﷺ کو بخش دے۔ رہی بات قربانی کے گوشت کی تو اس کا گوشت خود بھی نوش فرماسکتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

(كان النبى يضحى بكبشين) قال بعض العلماء: كان أحدهما عن نفسه المعطية عند الله والآخر عن امته و ينبغى ان يذبحوا كبشين احدهما عن نفسه و الآخر لرسول الله .

[صحیح البخاری مع حاشیہ سہارنفوری]

سوال: میت کی طرف سے جو قربانی ہو جائے اس کا گوشت کس کو کھلا سکتے ہیں؟

جواب: جب کوئی شخص میت کی وصیت کے مطابق اس کی طرف سے قربانی کرے تو اس کا گوشت صرف غرباء و مساکین کو کھلائے گا۔ ہاں اگر اپنی طرف سے بغیر میت کی وصیت، قربانی کا ثواب میت کو بخش دے تو پھر اس کا گوشت ہر کسی کو کھلا سکتا ہے اور خود بھی کھا سکتا ہے۔

ولو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر للميت جاز، وله ان يتناول منه ولا يلزمه ان يتصدق به لانها لم تصر ملكاً للميت وان ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه ولا يتناول منه۔ [فتاوی الھندیہ:۳/۳۵۲]

اشتہار

آداب

طہارت ونظافت کے آداب

اختر عباس

جسمانی پاکیزگی کے آداب:

- بعض علاقوں میں رواج ہے کہ پیشاب کے بعد کپڑے میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ عادت ہے۔ کسی بڑے میں ہو یا چھوٹے میں، اسے سمجھانا اور اس سے منع کرنا چاہیے۔
- کسی محفل، تقریب، سکول یا سفر کے دوران خارش ہو بھی تو برداشت کریں یا سب سے نظر بچا کر غیر محسوس انداز میں کریں۔
- اکثر بچوں اور کچھ بڑوں کو ناک میں انگلی گھمانے کی ایسی بری عادت ہوتی ہے کہ یہ بھی نہیں احساس کرتے کہ ساتھ بیٹھے ہوئے فرد پہ کیا گزر رہی ہے۔ یہ عادت ہر صورت بدلنا چاہیے۔ اس سے بچنا چاہیے۔
- صبح سویرے جب منہ ہاتھ دھونے باتھ روم جائیں تو فطری ضروریات سے فارغ ہو کر اپنا معمول بنالیں کہ ناک میں پانی ڈال کر اس کی اچھی طرح اندرونی صفائی کر لیں۔ کوئی پرانی بنیان ہو تو اس سے صاف کر لیں۔ نرم کپڑے کے ٹشو استعمال کر لیں۔ ٹشو پیپرز بھی بے حد کار آمد ہوتے ہیں۔
- وضو کے دوران جب زیادہ لوگ بیٹھے وضو کر رہے ہوں تو کبھی زور و شور سے ناک صاف نہ کریں۔ یہ کام ایک طرف ہو کر کرنے والا ہوتا ہے۔ ناک صاف کرنے کی آواز اس قدر بری لگتی ہے کہ طبیعت پر کتنی دیر بوجھ رہتا ہے، کوفت محسوس ہوتی ہے۔
- بعض لوگ نزلے کا شکار ہوں یا انہیں بلغم کی شکایت ہو تو صفائی کا پورا خیال نہیں رکھتے اور جونہی چھینک آتی ہے تو جیب سے رومال نکال کر بلغم اس میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسا تو سوچ کر ہی طبیعت خراب ہوتی ہے۔ اللہ جانے اِنہیں کیوں خیال نہیں آتا۔
- بعض لوگ اپنے سر پہ باندھے رومال کے پلو سے بھی یہ کام لیتے ہیں۔ آستین سے بھی ناک صاف کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی صحیح نہیں۔

اخبارواحوال

جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں

انجئیر شمس الحق آفریدی

جامعہ تبلیغ القرآن

حج تربیتی کلاس:

- 23،24 جولائی کو جامعہ میں عازمین حج کے لیے "حج تربیتی کلاس" کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں ملٹی میڈیا کے ذریعے تصاویر و نقشوں کے ساتھ مناسک حج کی عملی تربیت دی گئی جس میں کثیر تعداد میں مرد و خواتین عازمین نے شرکت کی، کلاس رئیس جامعہ حضرت مفتی محمد ایاز صاحب اور نائب رئیس ڈاکٹر حشمت علی صاحب نے پڑھائی۔

اصلاحی بیان:

- 28 جولائی کو جامعہ میں محترم محمد بلال صاحب نے خواتین کو اصلاحی بیان کیا۔ جس میں کثیر تعداد میں خواتین و طالبات نے شرکت کی۔
- 11 اگست کو جامعہ میں مفتی محمد حسین صاحب نے خواتین کو عام اصلاحی بیان کیا۔
- 25 اگست کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب نے "مسائل قربانی و ذی الحجہ" کے عنوان پر خواتین کو بیان کیا۔

درس قرآن افتتاح:

- 13 اگست کو جامعہ بنات میں بعد از نماز عصر خواتین کے لیے اجتماعی درس قرآن کا افتتاح ہوا۔ درس کے فرائض قاری احتشام الحق صاحب انجام دیں گے۔

مختلف سرگرمیاں

جامعہ میں مہمانوں کی آمد:

- یکم جولائی کو جامعہ الازہر مصر سے قاری تحمید جان صاحب اور ساتھ مولانا شبیر ترناب جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے خصوصی نشست ہوئی۔

- 24 جولائی کو مفتی قطب الدین عامر بن شیخ ولی اللہ کابلگرامیؒ جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے حضرت شیخ کے سوانح حیات پر لکھنے اور دیگر امور کے بارے میں گفتگو ہوئی۔
- 24 جولائی کو جامعہ فاروقیہ پنجہ غلام کے مہتمم مولانا عبدالغنی صاحب اور دیگر اساتذہ جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے اپنے جامعہ کے بارے میں تفصیلی نشست ہوئی۔
- 28 جولائی کو بونیر سے مولانا میر افضل صاحب و مولانا فضل وہاب صاحب جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی۔

افتتاحی بیان:

- 25 جولائی کو جامع مسجد نمرہ کے خطیب اور مدرسہ دارالسلام کے مہتمم قاری عبدالحکیم صاحب کی دعوت پر درس نظامی تعلیمی سال کے افتتاحی پروگرام میں حضرت مفتی صاحب نے شرکت کر کے بیان کیا۔

مشرق ٹی وی (TV) پروگرام:

- 26 جولائی کو حضرت مفتی صاحب روزنامہ مشرق کے دفتر میں مشرق ٹی وی کے آغاز کے موقع پر سوال جواب نشست میں شرکت کی۔

نماز جنازہ میں شرکت:

- 29 جولائی کو حضرت مفتی صاحب اور امیر صاحب جامعہ کے معاون جناب امجد علی شاہ کی بیوی کی نماز جنازہ اور تعزیت کے لیے چارسدہ گئے۔

اختتام درس قرآن:

- 12 اگست کو جناب واجد آفریدی کی دعوت پر انکے گھر سپلائی گیٹ قاضی آباد میں زنانہ مدرسہ میں درس قرآن کے اختتامی پروگرام میں حضرت مفتی صاحب و امیر صاحب نے شرکت کی جبکہ حضرت مفتی صاحب نے اختتامی بیان و دعا کی۔
- 13 اگست 2016ء کو جناب ذیشان عابد کی دعوت پر انکے گھر خیبر کالونی یوسف آباد میں درس قرآن کے اختتامی پروگرام میں حضرت مفتی صاحب نے آخری سورتوں کا درس دیا اور دعا کی۔ اس موقع پر مولانا ڈاکٹر حشمت علی صاحب، مولانا لقمان احمد صاحب اور مولانا شبیر صاحب بھی ساتھ تھے۔

تنظیمی سرگرمیاں

شب مذاکرہ:

- 27 اگست کو جامعہ میں حسب معمول مقننہ و منتظمہ ارکان کی روحانی و فکری تربیت کے لیے شب مذاکرہ کا انعقاد ہوا جس میں تمام ارکان نے حصہ لیا۔

دوماہی ناظمین اجلاس:

- 5 اگست کو جامعہ میں دوماہی ناظمین اجلاس منعقد ہوا جس میں ہر یونٹ کے مجلس عاملہ کے ارکان نے شرکت کی۔ اجلاس میں دروس قرآن نیٹ ورک کو منظم کرنے پر بات ہوئی اور دیگر امور پر ارکان شوریٰ سے مشورے و آراء لی گئی۔

یونٹس تنظیمی دورے:

- یکم اگست سے حضرت مفتی صاحب و حضرت امیر صاحب نے جامعہ سے ملحقہ یونٹس کے تنظیمی سالانہ تنظیمی دورے شروع کیے۔ جس میں ہر یونٹ کے اراکین سے ملاقات و یونٹس کی کارکردگی رپورٹ لی گئی اور بہتری کے لئے تجاویز پیش کیے۔ مندرجہ ذیل یونٹس کے دورے ہوئے۔

(۱) فقیر آباد (۲) حسین ٹاؤن (۳) پخہ غلام (۴) نوے کلے (۵) سعید آباد (۶) انیس آباد (۷) میاں گجر (۸) افغان کالونی۔

تربیتی کلاس:

- 26 اگست کو شعبہ تنظیم کے اراکین کے لئے تربیتی کلاس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں تنظیمی، فکری و روحانی تربیت پر گفتگو ہوئی۔

درسِ نظامی

نئے تعلیمی سال کا آغاز اور افتتاح:

- 12 جولائی کو شعبہ درس نظامی کے تعلیمی سال نمبر 12 کے داخلوں کا آغاز ہوا۔ قدیم طلبہ و طالبات کی داخلہ تجدید 17، 18 جولائی کو ہوئی جبکہ جدید طلبہ و طالبات کا انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو 20 جولائی کو۔ اسباق کا افتتاحی پروگرام 23 جولائی بمطابق 19 شوال کو ہوا۔ رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب نے علم

کی اہمیت، مقصد اور طلبہ کو ہدایات بیان کیے اور آخر میں مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب نے دعا کی، اسی دن اسباق بھی شروع ہوئے۔

اساتذہ شوریٰ:

- سال کے ابتداء میں مختلف تعلیمی و انتظامی امور اور نقشہ اسباق کی تیاری کے بارے میں درس نظامی کے اساتذہ کا اجلاس حضرت مفتی صاحب کی صدارت میں ہوا۔

نئے اساتذہ تقرری:

امسال شعبہ درس نظامی کے دو نئے اساتذہ مولانا وقار صاحب عربی لینگویج کے لئے اور مولانا لقمان احمد صاحب کا مدرس اور نائب ناظم کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔

انجمن طلبہ میٹنگ:

- 10 اگست کو انجمن طلباء جامعہ تبلیغ القرآن کے ارکان سے نئے سال کے معمولات پر مشورہ ہوا، اور عہدوں کے اعلانات کئے گئے۔ انجمن طلبہ امیر گل محمد، نائب امیر عبد الرحمن، خزانچی عمر فاروق مقرر ہوئے۔

استحکام پاکستان کے لیے ختم قرآن اور دعا:

- 14 اگست یوم آزادی کے موقع پر جامعہ تبلیغ القرآن کے علماء طلباء نے ملک خداداد پاکستان کی حفاظت اور استحکام کے لئے ختم قرآن کا اہتمام کیا۔ نائب رئیس مولانا ڈاکٹر حشمت علی صافی نے اس موقع پر بیان کیا جبکہ حضرت مفتی صاحب نے استحکام پاکستان اور دینی مدارس کی حفاظت کے لیے دعا فرمائی۔

بزم ادب:

- 18 اگست بروز جمعرات نئے سال درس نظامی کے معمولات کے مطابق پہلا اجتماعی بزم ادب کا انعقاد کیا گیا جس میں طلباء نے بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیا۔

ماہانہ جائزہ:

- نئے سال کے شیڈول کے مطابق درس نظامی کے طلبہ و طالبات کا پہلا ماہانہ جائزہ ہوا اور پوزیشن لینے والے طلبہ اور طالبات میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی

میٹنگز:

- تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی نصاب کے نئے خاکہ کی تیاری کی گئی اور اس کو مدارس و مکاتب پر جاری کرنے کے لیے مدارس و مکاتب ذمہ داران سے انفرادی ملاقاتیں کی گئی اور خاکہ نصاب کے (سلیبس) کو اپنے مدارس و مکاتب میں جاری کرنے پر اُن سے بات چیت و مشاورت ہوئی۔

سیمینار:

- 07 اگست کو بنین اور بنات مکاتب کے لئے "تقریر کیسے کریں" کے موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ طلبہ کو جناب محمد فرقان صاحب جبکہ طالبات کو تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی بنات مدرسہ کی ناظمہ صاحبہ نے تقریر کے حوالے سے آگاہی و تربیت دی۔ جس میں کثیر تعداد میں طلباء و طالبات نے شرکت کی۔

خادم ویلفئیر سوسائٹی (KWS)

یومِ آزادی پروگرام:

- 14 اگست کو یوم آزادی پاکستان کی مناسبت سے خادم ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک پروقار تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں پرچم کشائی کے علاوہ میٹرک بورڈ نویں، دسویں جماعت اور وفاق المدارس کے سالانہ امتحان کے نمایاں نمبر لینے والے طلباء میں ٹیلنٹ ایوارڈ تقسیم کیا گیا جبکہ مہمانِ خصوصی رئیس جامعہ تبلیغ القرآن جناب مفتی محمد ایاز صاحب نے اس موقع پر یوم آزادی اور تاریخ آزادی کے عنوان پر بیان کیا اور آخر میں ملک و قوم کی سلامتی کے لئے دعا کی۔
- 14 اگست کو خادم ویلفیئر سوسائٹی کی فنڈ ریزنگ ٹیم، آئی ٹی ٹیم اور میڈیا ٹیم کے مابین میٹنگز ہوئیں۔ جس میں 14 اگست 2016ء یوم آزادی پروگرام کے انتظامات کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل پر بھی غور کیا گیا۔

العلم اکیڈیمیا جونیئر سکول

ٹریننگ سیشن:

- العلم ٹیچرز ٹریننگ ونگ نے یکم اگست تا 14 اگست اساتذہ کی ترقی اور تدریسی معیار کی بہتری کے لیے ٹریننگ سیشن کا انعقاد کیا جس میں روزانہ کی بنیاد پر چھ پیریڈ رکھے گئے۔ کورسز کی ترتیب کچھ یوں تھی۔ تجوید، ترجمۂ قرآن، عملی تدریس، کمپیوٹر، انگلش زبان دانی۔ ہر کورس کو آرڈینیٹر نے بھرپور جذبے سے اساتذہ کو پڑھایا اور اساتذہ نے بھی بھرپور لگن کا مظاہرہ کیا۔
- جولائی کے پہلے ہفتے میں انتظامیہ نے طلباء کی آمد سے پہلے سکول کی سہولیات کا جائزہ لیا اور نشاندہی کے بعد مختلف مرمتی کاموں کو اگست کے تیسرے ہفتے تک پایہ تکمیل تک پہنچایا۔
- طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو جِلا بخشنے کے لئے ستمبر کے پہلے ہفتے میں ایک سمر کیمپ منعقد کرنے کے بارہ میں منصوبہ بندی کی گئی۔ سائنس ورک، آرٹ ورک اور کھیل اس کے مرکزی تھیم ہونگے۔ اس حوالے سے اساتذہ نے اپنی تیاری کو مکمل کیا اور طلباء کے لیے مختلف تصورات (Ideas) جمع کیے ساتھ ہی درکار تدریسی مواد کی خریداری بھی مکمل کر لی گئی۔
- انتظامی حوالے سے سکول کے اندرونی معاملات کے بارے میں پالیسیوں پر کام ہوا۔ خصوصاً نئے داخلوں کے حوالے سے بات چیت کی گئی۔
- 9 اگست کو سکول انتظامیہ کی جانب سے بورڈ آف ڈائریکٹرز فرینڈز آف العلم اکیڈیمیا کو ایک جامع بریفنگ دی گئی جس میں سکول کے ماضی کے اقدامات سے لے کر حال اور پھر مستقبل کے حوالے سے اقدامات اور ترجیحات پر معلومات دی گئیں۔
- اگست کے آخری ہفتے میں سکول کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر مزید ٹیچرز اور اسسٹنٹ ٹیچرز اور قاریہ کی بھرتی کی گئی۔
- والدین کے اصرار پر اگست میں محدود نشستوں پر طلباء کو داخلہ دیا گیا تاکہ وہ اس نظام کے ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔